اِک دیس اِک بدیسی

(سفرنامۂ امریکہ)

کلیم احمد عاجز

www.taemeernews.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

اِک دیس اِک بدیسی

(سفرنامۂ امریکہ)

کلیم احمد عاجز

سال اشاعت ۱۹۸۱ء
تعداد اشاعت ۱۱۰۰
مطبوعہ فوٹو آفسیٹ پرنٹرز، ۱۰/۳ تالبگان لین، کلکتہ ۱۷
خوش نویس مولانا عبدالباقی قاسمی

قیمت، بیس ۲۰ روپئے

ملنے کا پتہ: ڈاکٹر کلیم احمد عاجز
جنرل بیڈنگ اسٹورس
پٹنہ-۴

www.taemeernews.com

"کہتا ہوں سچ ..."

میں نے چند بار اس کی کوشش کی کہ روزنامچہ لکھوں ۔ یہ بڑی اچھی چیز ہے اور بہت مفید اور بہت دلچسپ چیز ہے ۔ مگر مجھ سے نہ ہو سکا میں گرچہ نگاہیں جھکا کر چلتا ہوں ۔ اپنے قدموں کو دیکھتا ہوا چلتا ہوں ، سامنے اگل بغل نہیں دیکھتا ۔ لوگ کہتے ہیں میں بے خودی میں چلتا ہوں ایسی بات نہیں ہے ، گو اپنی ذات سے کسی قدر بے نیاز اور بے پروا رہتا ہوں لیکن میرے حواس ہر وقت بیدار اور چوکنا رہتے ہیں جدھر نگاہ اٹھنی چاہیے فوراً اٹھ جائے گی ۔ جدھر کان لگنے چاہئیں فوراً لگ جائیں گے ۔ لیکن میں ہر چیز نہیں دیکھتا اور ہر بات نہیں سنتا اس کی مشاقی ہو گئی ہے ۔ یہ انداز اور یہ مشق تقریباً ابتدائے شعور سے ہے ۔ دیکھی جانے والی چیز غیر ارادی طور پر میری نگاہوں کو کھینچ لیتی ہے ، اور سننے کے قابل بات کانوں کو متوجہ کر لیتی ہے ، — ورنہ میں چلتا رہتا ہوں ۔ اپنے افکار میں بے خود اپنے خیالات میں محو مجھے پتہ نہیں کون جا رہا ہے کون آ رہا ہے کون گذر رہا ہے ۔ کیا بولا جا رہا ہے کیا کیا جا رہا ہے — اس کے باوجود اتنی چیزیں دیکھ لیتا ہوں اتنی باتیں سن لیتا ہوں ۔ اتنے واقعات گذر جاتے ہیں کہ اگر

www.taemeernews.com

روزنامچہ لکھنے کی مشق ہوتی۔ تو شاعری سے زیادہ دلکش افسانوں سے زیادہ دلچسپ اور کہانیوں سے زیادہ دلربا چیزیں محفوظ ہو جاتیں۔ مگر اس کی عادت نہیں پڑی۔

میں نے آپ بیتی کا ایک حصہ "جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی" جو لکھا ہے وہ تو یادوں کے سمندر سے نکالے ہوئے چلّو ہیں۔ سمندر کو بیک وقت کہاں سمیٹا جا سکتا ہے۔ اتنی فرصت کہاں، اتنے وسائل کہاں، اتنا تعاون کہاں۔ اسی طرح سفرنامے بھی یادوں کا ہلکا نچوڑ ہیں۔ پورا نچوڑ نہیں ——

میں نے سفرنامہ بہت کم پڑھا ہے، بہت کم پڑھا ہے۔ بلکہ کوئی سفرنامہ مکمل نہیں پڑھ سکا ہوں۔ میں نہیں جانتا سفرنامے کی ٹکنک کیا ہے اس کا ڈھانچہ کیسا ہوتا ہے اس میں رنگ آمیزی کیا کیا ہوتی ہے اور اس کی آراستگی کیا ہے۔ اور جب بات نکل گئی تو یہ کہہ دینے میں کیا حجاب ہے اور اب حجاب کر کے کیا ہوگا اتنی عمر بے شرمی میں گذاری کہ اب حجاب گوارہ نہیں ہوتا — تو یہ سچی بات کیوں نہ کہہ دوں کہ میں کسی چیز کی ٹکنک نہیں جانتا۔ نہ شاعری کی ٹکنک جانتا ہوں نہ نثر نگاری کی — نہ غزل کی ٹکنک نہ نظم کی، نہ افسانے کی نہ ناول کی — نہ آپ بیتی کی نہ سوانح نگاری کی نہ سفرنامے کی — گرچہ ضرورت آتی ہے اور وقت آتا ہے تو پڑھا سب دیتا ہوں لیکن پڑھانے کے بعد ممکن ہے پڑھنے والا کچھ لیکر نکلتا ہو میں تو کورا نکلتا ہوں —— خدا جانے کیا پڑھایا خدا جانے کیا لکھایا خدا جانے کیا بولا کیا کہا —— اور جب خود لکھنے بیٹھتا ہوں تو استغفر اللہ توبہ کیجئے — دماغ کے سامنے مکمل اندھیرا رہتا ہے صرف قلم سوجھتا ہے اور کاغذ — کیا لکھ رہا ہوں یہ لکھنے کے بعد ہی نظر آتا ہے — اور لکھنے کے بعد بھی۔ میں چاہے افسانہ کو افسانہ کہہ لوں۔ غزل کو غزل کہہ لوں مضمون کو مضمون کہہ لوں، آپ بیتی کہہ لوں، سفرنامہ

www.taemeernews.com

کہہ لوں ۔ لیکن کوئی کہدے کہ یہ غزل نہیں ہے، یہ افسانہ نہیں ہے، یہ آپ بیتی نہیں ہے، یہ سفرنامہ نہیں ہے ۔ یہ مقالہ نہیں ہے تو بخدا میرے پاس کوئی مواد کوئی سند کوئی حوالہ نہیں ہے کہ اس کی تردید کروں، بحث کروں اور منوالوں۔

ہاں بات نکلی تو ایک اور بات کہدوں ۔ لوگ ٹکنک کے پیچھے بہت مارے پھرتے ہیں ۔ اور خالی ہاتھ نہیں پھرتے ڈنڈا لئے پھرتے ہیں جی چاہتا ہے پوچھوں کہ میاں تم خود اپنی ٹکنک جانتے ہو؟ ـــــ اپنی ٹکنک کی خبر ہے؟ آپ شاعر ہیں، نقاد ہیں، محقق ہیں ۔ افسانہ نگار ہیں ناول نویس ہیں، فنکار ہیں۔ لیکن اس سے پہلے آپ آدمی ہیں انسان ہیں؟ ۔ انسان ہونا بہت بڑا آرٹ ہے بہت بڑا فن ہے ۔ اس فن کی ٹکنک جانتے ہیں؟ اس کا کچھ پتہ ہے؟ ۔ اس کی کچھ خبر ہے ۔؟ ۔ اس کی ٹکنک سے کچھ واقفیت؟ ۔

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

پہلے لوگ کسی چیز کی ٹکنک نہیں جانتے تھے ـــــ گرو جی ۔ پنڈت جی، مولوی صاحب پڑھانے کی ٹکنک نہیں جانتے تھے ۔ لیکن پڑھا دیتے تھے تو مٹی سونا بن کر چمکنے لگتی تھی ـــ اور لکڑی ہوائی جہاز بن کر اڑنے لگتی تھی ـــــ اور اب سالے ٹکنکوں کے استاد ۔ ماسٹر صاحب اور پروفیسر صاحب پڑھاتے ہیں تو سونا مٹی بن کر نکلتا ہے ۔ ہوائی جہاز سوکھی لکڑی بن جاتا ہے ۔ جلانے کے علاوہ جو کسی کام کا نہیں نکلتا ۔ آتا ہے آدمی اور نکلتا ہے جانور بن کر ـــــ حکیم صاحب اکسرے کی ٹکنک نہیں جانتے تھے ۔ بلڈ اگزامینیشن کی ٹکنک نہیں جانتے تھے ۔ اسٹیتھسکوپ نہیں جانتے تھے ۔ تھرمامیٹر نہیں جانتے تھے ۔ لیکن نبض دیکھکر مریض کا مرض

www.taemeernews.com

ہی نہیں اس کی کئی پشتوں کے مریضوں کی تاریخ بتا دیتے تھے ـــــ افلاطون۔ ارسطو۔ بقراط، سقراط۔ بطلیموس۔ کنفیوشس۔ بوعلی سینا۔ طوسی۔ فردوسی نظامی۔ حافظ۔ سعدی۔ خسرو۔ میر غالب کسی فن کی وہ ٹکنک نہیں جانتے تھے جو لوگ آج جانتے ہیں۔ لیکن جو ٹکنک انہوں نے دی ہے۔ وہ اب تک آسمان ہی ہے اور لوگ ابھی زمین سے بالشت بھر نہیں آٹھے ہیں۔ لوگ بندوق بنانے کی ٹکنک جان گئے۔ راکٹ کی جان گئے۔ چاند پہ جانے کی ٹکنک جان گئے۔ لیکن دیوار تا بام ثریا کج ہی جا رہی ہے چونکہ خشت اول ہی کج ہو گئی۔

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

میں سمجھتا ہوں۔ سمجھتا ہی نہیں میرا ایمان ہے کہ آدمیت سب سے بڑی ٹکنک ہے۔ اور تمام ٹکنکوں کا سرچشمہ ہے، تمام آرٹ تمام فن کی ٹکنک کے چشمے اسی سے پھوٹتے ہیں اسی سے نکلتے ہیں۔ اس ٹکنک کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ مگر سارا حساب کتاب اس میں پوشیدہ ہے۔ اس میں سارا ناپ تول چھپا ہوا ہے۔ اس میں تمام طول اور عرض گہرائیاں اور اونچائیاں ہیں، اس میں پورا ناپ جوکھ ہے۔ لیکن یہ ناپ جوکھ طول عرض اونچائی گہرائی سامنے رکھ کر اس پر گوٹی بٹھائی نہیں جاتی۔ ایک بزرگ دسترخوان پر بیٹھے تھے۔ سالن کا پیالہ ایک شخص لا رہا تھا۔ وہ چھلکا اور شوربہ ان بزرگ کے کپڑوں پر گر گیا ـــ انہوں نے کچھ نہیں کیا صرف یہ کہا کہ میاں تمہاری نماز صحیح نہیں ہوتی۔ اپنی نماز درست کرو۔ پہلے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ دیر میں آتی ہے لیکن آتی ہے۔ پیالہ لیکر چلنے کی بھی ایک ٹکنک ہے۔ قدم کا تعلق جسم سے ہے۔ جسم کا تعلق

www.taemeernews.com

روح سے ہے روح کا تعلق خدا سے ہے۔

کہاں سے چل کے اے ساقی کہاں تک بات پہونچی ہے
تری آنکھوں سے غم جا دواں تک بات پہونچی ہے

پریم چند افسانے کی، ناول کی وہ ٹکنک نہیں جانتے تھے۔ جو کرشن چندر جانتے تھے۔ یا بیدی جانتے ہیں۔ اور کون کون جانتے ہیں لیکن میاں۔ پریم چند کو لوگ صدیوں تک پڑھتے رہیں گے۔ کرشن چندر وغیرہ کا ذکر کتابوں میں زیادہ رہے گا۔ پریم چند کی بات دلوں میں زندہ رہے گی۔ حالی تنقید کی ٹکنک نہیں جانتے تھے مگر شاعری کے متعلق حالی شبلی جو کہہ گئے وہ پتھر کی لکیر ہے اور اب جو لوگ کہہ رہے ہیں وہ ریت کی لکیر ہے۔ وہ صدیوں طوفان اور سیلابوں کا مقابلہ کرے گی۔ ان کی زندگی ہوا کے تھوڑا تیز ہونے تک ہے۔ میر نے کہا ہے

حضرتِ زاہد فرشتہ ہوں تو ہوں
آدمی ہونا بہت مشکل ہے میاں

تو میاں آدمی کی ٹکنک بہت مشکل ہے۔ آج جو فن کی ٹکنک کی کتابوں میں اتنی بھرمار ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اصل ٹکنک زندگی سے نکل گئی ہے۔ عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کا یہ شعر سنئے اور خوش ہو جائیے یا خفا ہو جائیے کسی حال میں بیدل کا کوئی نقصان نہیں گھاٹا نفع ہمارا ہی آپ کا ہے۔

دل اگر می داشت وسعت بے نشاں بودایں چمن
رنگ مے بیروں نشست از بس کہ مینا تنگ بود

بس تو مجھے آج نہیں زمانے سے آدمی کی ٹکنک جاننے کی خواہش اور کوشش ہے اور میں کسی ٹکنک کے پیچھے نہیں چلتا۔ یہ مختصر کتاب سفرنامہ ہے یا نہیں

www.taemeernews.com

میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر کچھ ہے ضرور اور جو کچھ ہے مجھے اس سے لگاؤ ہے تعلق ہے پیار ہے محبت ہے۔ میں نے امریکہ کتنا دیکھا خود مجھے پتہ نہیں، یاد بھی نہیں، لیکن امریکہ میں کیا کیا سوچا، کیا کیا محسوس کیا۔ اس سوچ اور اس احساس کو مشتے از خروارے چند صفحات میں پیش کر دینے کی کوشش ہے۔ اگر کوشش کامیاب ہے تو آپ کو مبارک باد کہ آپ سمجھ گئے۔ ناکام ہے تو کیا کیجئے۔

وہ بات ذرا سی جسے کہتے ہیں غمِ دل
سمجھانے میں اک عمر گذر جائے ہے پیارے

کلیم احمد عاجز
مارچ ۱۹۸۱

www.taemeernews.com

سیاحت کے دو بنیادی موضوع ہیں۔ دراصل ہیں، ایک تو چیزوں کو دیکھنا، خواہ وہ خود ساختہ ہوں یا انسان ساختہ۔ ان کے رنگ روپ ان کے خدوخال ان کے نقوش ان کے وسعت و عمق سے نگاہوں کو آسودگی اور سیری بخشنا طبیعت کو فرحت اور بشاشت فراہم کرنا، راحت اور سکون مہیا کرنا۔ یہ زندگی کا ایک اہم موضوع ہے اور بڑی حد تک ضروری لیکن یہ ضرورت ایسی نہیں ہے جس کے پوری نہ ہونے پر زندگی کا موضوع مکمل نہ ہو۔

سیاحت کا دوسرا موضوع پہلے موضوع کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ دوسری منزل ہے، کوئی ضروری نہیں ہے کہ مسافر اس منزل کی طرف بھی متوجہ ہو اور اپنا قدم روکے نہیں آگے بڑھائے، سفر ختم نہ کرے، ذرا سستا کر چل پڑے۔ لیکن اگر قدم آگے نہ بڑھا، نگاہ آگے کی طرف نہ اٹھی آرزو اور جستجو نے پاؤں نہ پھیلائے، شوق نے پر و بال نہ نکالے، تو مقصد ادھورا رہ گیا۔ بات کھوٹی رہ گئی، نقشہ نامکمل رہ گیا مصرع ہی رہ گیا شعر نہ بن سکا۔ سیاحت کا یہ پیکر صورت رکھتا ہے معنی نہیں رکھتا، جسم رکھتا ہے، جان سے

www.taemeernews.com

محروم ہے۔ یہ کاغذی پھول ہے رنگ ہے خوشبو نہیں، پھل ہے رس نہیں جس نہیں..... ذائقہ ہے صحت نہیں۔ یہ وہ آواز ہے جس میں ساز ہے سوز نہیں، راحت ہے حرارت نہیں۔

سیاحت کا یہ موضوع ہے چیزوں کو صرف دیکھنا نہیں ان کی حقیقت تک پہونچنا اور ان سے نتائج اخذ کرنا۔ غالب کا یہ قطعہ اسی موضوع کی شاعرانہ نقاب کشائی کرتا ہے۔

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوسِ ناؤ نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

اس دیدۂ عبرت نگاہ کی ضرورت صرف میکدے میں نہیں مدرسہ میں بھی ہے، ویرانے میں نہیں بستی میں بھی ہے، کھنڈروں میں نہیں شہروں میں بھی ہے ٹمٹماتے ہوئے دیئے میں نہیں برقی قمقمے میں بھی ہے، سنسان اندھیروں میں نہیں جگمگاتے چراغاں میں بھی ہے، چاک گریباں اور تار دامن ہی میں نہیں زریں قبا اور رنگین پیراہن میں بھی ہے نمک اور روٹی ہی میں نہیں مرغ و ماہی میں بھی ہے۔

میں ۲۵ ستمبر کی شام کو پٹنہ سے روانہ ہوا جہاں چاندنی رات ہوتی ہے تو سڑک کی سرکاری روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں اور خدا کے روشن چراغ کی خنک تجلی میں شہر سوتا ہے اور جاگتا ہے، ۲۶ کی شام کو دہلی سے روانہ ہوا۔ جہاں لوگ چاندنی کا لطف چراغ جلا کر لیتے ہیں اور اسی ۲۶ کی شب میں کراچی پہونچا جہاں برقی قمقموں کی چلمن سے چاند رہ رہ کر آنکھ مچولیاں کرتا ہے اور ۲۸ کی شب میں چل کر ۲۹ کی شام میں

www.taemeernews.com

نیویارک پہونچا تو تیز چندھیا دینے والی روشنیوں کے ہجوم میں چاند اور چاندنی یوں گم نظر آئی جیسے جذبات کے طوفان میں عقل گم ہو جاتی ہے۔ مجھے چاند کی تلاش تھی، میں چاند کا عاشق ہوں۔ سائنس نے چاند کی صورت اور ماہیت کے تصور میں جو بھی انقلاب لایا ہو۔ مجھے اب بھی دہکتے ہوئے دل کے لئے ٹھنڈک چاند میں تلاش کرنی پڑتی ہے۔ اور اپنی غزلیں گنگناتا ہوں تو غم کے اندھیرے میں ڈوبتے ہوئے دل کو چاندنی مل جاتی ہے۔

چاند ہے یہ چاندنی کرنا ہی اس کا کام ہے
ساتھ لے جاؤ غزل میری جہاں تک شام ہے

میں نیویارک پہونچا تو شکاگو کے لئے ہوائی جہاز میں میری جگہ محفوظ کی ہوئی تھی۔ مگر پی۔ آئی۔ اے کے اہل کار نے مری رہبری نہیں کی اور میرے بار بار کہنے پر بھی میری کوئی رہنمائی نہ کر سکا۔ ان کی بے توجہی تکلیف دہ تھی۔ میری بھانجی جو محض قیاس پر مجھسے ملنے ہرسین برگ سے آگئی تھی آکر لیٹ گئی۔ اس کے بعد جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا شکاگو کا ہوائی جہاز ایک گھنٹہ قبل روانہ ہو چکا۔ رات ہو چکی تھی ہم لوگ نے موٹل میں شب گذارنے کا طے کیا اور صبح نیویارک سے چار سو میل کا سفر کار پر طے کر کے رات آٹھ بجے ہرسین برگ پہونچے گویا امریکہ کو دن کی روشنی میں پہلی مرتبہ ہرسین برگ سے دیکھا۔

امریکہ ایک نیا ملک ہے۔ اس کی تاریخ نئی ہے۔ اس کی جوانی نئی نئی ہے۔ جوانی ہر چیز کی اچھی لگتی ہے۔ امریکہ کو خود بھی اپنی جوانی کا نشہ ہے اپنے شباب کی مستی ہے اور امریکہ کی جوانی پر سب لوگ لوٹ پوٹ

www.taemeernews.com

ہیں۔ جس کی بھی جوانی ہوگی۔ مرنے والے لوٹنے والے تڑپنے والے کی کمی نہ ہوگی اِس کے شباب کا تماشہ اس کی جوانی کی بہار دیکھنے کو دنیا پروانے طرح ٹوٹی پڑتی ہے۔ ایک زمانہ برطانیہ کی جوانی کا تھا۔ جس نے کتنوں کو موٹلوں کا چکر دلوایا۔ اور اسپتالوں میں مروایا۔ کیک کا مزا چکھا کر سیویوں کی برسوں کی لذت بھلوادی۔ دنیا کا ادب اور شاعری لندن اور لندن والوں اور والیوں کے قصیدوں سے بھر گئی۔ اکبر اور اقبال کا سارا سرمایۂ شعر و سخن اِس کے شباب اس کی جوانی اس کی اداؤں، غمزوں، عشوؤں اور کرشموں کی عکاسی تصویر کشی، آہوں، کراہوں، شکووں اور شکایتوں سے بھری ہوئی ہے دنیا کے کسی ملک کا شباب اپنی شان میں جمال میں جلال میں اتنے قصیدے مرثیے غزلیں اور ہجویں نہ کہلوا سکا۔ لیکن اب لندن کے چہرے پر جھریاں آگئیں، اِس کی رفتار گفتار کا جادو ٹوٹ گیا۔ اس کا قدر عنا شکستہ ہوگیا اِس کی زلفوں کا پیچ و خم جاتا رہا اِس کی آنچل کے سائے میں امریکہ کی نئی جوانی انگڑائیاں لیکر اٹھتی ہے۔

میں نیویارک سے ہریسن برگ تک چار سو میل امریکہ کو دیکھتا چلا گیا۔ اس کی سڑکیں، سڑکوں پر تیزی سے رینگتی ہوئی رنگا رنگ گاڑیاں، اِس کی نوخیز عمارتیں، عمارتوں کے نقوش، ان کی تراش خراش، ان کی تزئین اور ترتیب ان کی نوک پلک۔ نئی جوانی کی امنگ اٹھتی ہے تو یہی ڈھنگ ہمیشہ رہے گا.... چال میں لچک آہی جاتی ہے، آواز میں کھنک آہی جاتی ہے، آنکھوں میں چمک آہی جاتی ہے، گالوں میں ڈمپل، زلفوں میں مہک ہونٹوں پہ لہک آہی جاتی ہے، یہ کوئی نئی بات تھوڑا ہی ہے

www.taemeernews.com

اور انسانوں کا اس پر مرنا اور مٹنا کوئی نیا واقعہ یا افسانہ ہے کیا ؟

میں کار پر گذرتا رہا اور اِن سڑکوں اور عمارتوں کا کوئی تاثر مجھ پر نہیں ہوا۔ جس سرزمین پہ سڑکیں بنی ہیں، یہ عمارتیں تیار ہوئی ہیں نازک نازک لوچدار لچک دار محل بنے ہیں، اس سرزمین کے حسن اور اس کی زرخیزی نے البتہ متاثر کیا اور بے حد متاثر کیا۔ کیا حسن خدا نے امریکہ کی وادیوں میں بکھیر دیا ہے...... زمین کیا ہے معلوم ہوتا ہے کوئی کافر بدن حسینہ لیٹی ہوئی ہے جس کے متناسب اعضا کو دیکھتا ہوا آسمان گذرتا ہے.... اس سرزمین کے نشیب و فراز اس کا اتار چڑھاؤ اس کی وادیوں کے پیچ وخم اس کی وادیوں میں زنگا رنگ پیڑ، پھولوں کو لئے ہوئے جھومتے رقص کرتے لچکتے درخت دیکھکر کبھی کبھی سینے میں سانس رک جاتا ہے۔

جس سرزمین پر امریکہ کھڑا ہے، اُس سرزمین کا حق ہے کہ یہاں ایسی قوم بستی جو اس سرزمین کے پیدا کرنے والے کا شکر ادا کرتے کرتے اپنی عمر گذار دیتی، اور اس کا حق ادا نہ ہوتا۔ اس کے پھل کھاتی، اس کا پانی پیتی اس کے سبزے پر لوٹتی اور گیت گاتی۔ لیکن اس سرزمین کی نعمتوں میں پلنے والی قوم سب سے زیادہ کفران نعمت کرتی ہے، کھاتی ہے لیکن شکر ادا نہیں کرتی، پیتی ہے لیکن احسان نہیں مانتی، پاؤں پھیلاتی ہے لیکن سر نہیں جھکاتی، مستی کی نیند سوتی ہے کبھی روتی نہیں۔ ہیریسن برگ میں ۲ دو ہی دن ٹھہر سکا۔ اور اپنی بھانجی سے پھر آنے کا وعدہ کرکے ۳ اکتوبر کو شکاگو کے لئے روانہ ہوا۔ نیو یارک سے ہیریسن برگ جاتے ہوئے، اور ہیریسن برگ سے واشنگٹن کار پر آتے ہوئے امریکہ کے سڑکوں سے

www.taemeernews.com

عمارتوں سے اور امریکہ کے لوگوں کے درمیان سے گذرا۔ کتنی بار راہ میں سرراہ مسافروں کی ضیافت کے لئے بنے ہوئے خوبصورت بیش قیمت سجے سجائے ہوٹلوں میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے موقع آئے۔ مجھے ذرا احساس نہ ہوا کہ میں اپنے وطن سے بہت غیر معمولی طور پر دور، نہایت غیر معمولی ملک میں بالکل غیر معمولی لوگوں کے درمیان میں ہوں۔ جس طرح پٹنہ۔ دہلی کلکتہ میں اپنی دھن میں مست، اپنے خیال میں مگن اپنے رنگ میں غرق چلتا پھرتا آتا جاتا رہتا ہوں ویسے ہی امریکہ کے ماحول میں، سیاہ پمپ جوتا، سفید موزہ، تنگ مہری کے پاجامے گھٹنوں تک شیروانی، ترچھی ٹوپی، خالص مشرقی داڑھی، وضع قطع چال ڈھال طرز و انداز کے ساتھ انکے درمیان جھومتا جھامتا گذرتا رہا۔ جو شکل وصورت، لباس پوشاک، نشست و برخواست میں ہمیشہ دنیا سے ایک قدم آگے رہنے کے جنون میں پاگل ہو رہے ہیں..... میں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا اور وہ پہلی مرتبہ آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے اور پھر چپکے چپکے کنکھیوں سے دیکھتے..... جو دنیا سے آگے دیکھنے کے دعویدار ہیں دنیا کو پس پشت ڈال کر چلنے والے کو دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ میں ان کے درمیان، اپنی شیروانی اتار کر، یا نیچے چڑھا کر، آستین الٹ کر، مسواک کر کے وضو کرتا۔ اور جہاں دوسرے لوگ کھڑے رہنا بھی ایٹی کیٹ کے خلاف سمجھتے۔ میں اپنا لمبا چوڑا سجادہ بچھا کر اطمینان سے دو رکعت نماز قضا ادا کرتا میں ان سے بے خبر رہتا..... لیکن وہ مجھ سے بے نیاز رہنے کی کوشش کرتے ہوئے بھی بے نیاز نہیں رہ پاتے۔ میرے بھانجوں سے دریافت کرتے یہ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں..... میرے بھانجے جواب دیتے کہ

www.taemeernews.com

میرے ماموں ہیں، ہندستان میں رہتے ہیں پروفیسر ہیں، شاعر ہیں۔ اور نماز پڑھ رہے ہیں، ہیریسن برگ سے واشنگٹن آتے ہوئے، نماز مغرب کا وقت ہو گیا تو میں نے کار رکوائی۔ اور سڑک کے کنارے جا نماز بچھا کر نماز مغرب ادا کی۔ گاڑیاں اپنی سواریوں کے ساتھ کترا کر گذرتی رہیں۔

واشنگٹن سے نو بجے شب میں شکاگو کے لئے ہوائی جہاز تھا، ایرپورٹ پہونچتے پہونچتے پونے نو ہو گئے۔ میرے بھانجی داماد ڈاکٹر مظہر الحق نے بڑی پھرتی کی۔ ورنہ میں تو چھوٹ ہی جاتا۔ وہ آخری دروازے سے بھی آگے خود مرا سامان اٹھائے دوڑتے اور مجھے دوڑاتے ہوئے آئے۔ اور گویا مجھے دروازے میں ڈھکیل کر سلام کرتے ہوئے دوڑ کر باہر نکل گئے کہ ایرپورٹ والے کہیں سرزنش نہ کرنے لگیں۔

ہوائی جہاز پر امریکن ہوسٹس کو مری وضع قطع شکل وصورت بہت کچھ سمجھادیتی، وہ بہت ادب سے اور ڈرتے ڈرتے مجھ سے رسماً دریافت کرتیں... ANYTHING, SIR اور میں جواب دیتا NOTHING PLEASE اور وہ بسکٹ، خشک میوے کے ساتھ بلوری گلاسوں میں گلابی اور چمپئی شراب کے طشت لئے THANKYOU, SIR کہتی ہوئی گذر جاتیں۔

ساڑھے دس بجے شب میں جہاز شکاگو پہونچا، جہاز شہر سے نصف میل اوپر گذرا تو ایسا لگا کہ ستاروں کو مختلف حسین نقشوں میں گوندھ کر نئے نئے طرز و انداز کے پھول بنائے گئے ہیں سارا شہر روشنیوں کا عجیب و غریب سر تع نظر آتا تھا، جس میں ہزاروں ذیلی اور ضمنی مرقعے، نقش و نگار

www.taemeernews.com

بن کر سجے ہوئے ایر پورٹ پر سب سے پہلے جس پر نظر پڑی اتفاق سے وہ برادرم ڈاکٹر خورشید ملک ہی تھے جو زور سے السلام علیکم کہتے ہوئے مصافحہ کے لئے بڑھے لیکن میں بغلگیر ہو گیا۔ شکاگو کے ایر پورٹ پر معانقہ بھی کچھ عجیب ہی قسم کی چیز معلوم ہوتی ہو گی۔ لیکن میں غریب ہوں، غریبوں کی ہر چیز عجیب ہوتی ہے.... غریب یعنی مفلس نہیں بلکہ یعنی STRANGER برادرم ڈاکٹر خورشید ملک بھی عجیب و غریب ہی ہیں.... وہ سینکڑوں امریکنوں کے درمیان جوش سے السلام علیکم کہتے ہوئے بڑھے تو میں صرف مصافحہ کر کے ان کے جذبۂ اسلام پرستی کی توہین کیا کرتا؟....

گیارہ بجے شب میں بھی شکاگو کی سڑکوں پر چار چار قطاروں میں موٹریں آ رہی تھی اور جا رہی تھیں..... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روشنیوں کا ایک سمندر ہے۔ جس میں دو دھارائیں ایک دوسرے کے مخالف سمت چل رہی ہیں ..... آتی ہوئی موٹروں کی سفید اور زردی مائل روشنی کا سیلاب اور جاتی ہوئی موٹروں کے عقبی سرخ روشنیوں کا سیلاب، بیس پچیس میل تک سیلاب کے ان دو دھاراؤں کو دیکھتا ہوا گیارہ بجے کے قریب برادرم ملک کے مکان پر پہونچا..... ان کی والدہ اور ان کی اہلیہ سراپا تبسم اور محبت ملیں۔ رات، آگے بڑھ رہی تھی اس لئے چند منٹ کی پہلی سرسری ملاقات اور پرشش حالات کے بعد۔ مکان کے زیر زمین منزل میں آ گئے۔ جسے امریکن اصطلاح میں بیسمنٹ یعنی تہہ خانہ کہتے ہیں۔ یہ دراصل مکان کی پہلی منزل ہوتی ہے، یہاں عموماً مکان میں زیر زمین پہلی منزل ہوتی ہے جس میں نشست گاہ، کمرے، غسل خانے سب ہوتے ہیں۔ الحمد اللہ برادرم خورشید ملک کا

www.taemeernews.com

مکان بہت کشادہ اور معمول سے بہت بڑا ہے۔ زیر زمین منزل میں بڑے بڑے تین چار خواب کے کمرے ہیں۔ اس کے علاوہ چند چھوٹے چھوٹے کمرے جن میں اسٹور روم۔ مشین روم وغیرہ بھی ہیں۔ اور ایک بہت طویل اور وسیع ہال ہے، جس میں نماز خانہ ہے اور ٹینس گراؤنڈ بھی ہے۔ نماز خانے والے حصے میں بیک وقت پچاس ساٹھ افراد نماز پڑھ سکتے ہیں۔ گذشتہ رمضان المبارک میں بہت بڑی جماعت نے پوری تراویح اور ختم قرآن کیا۔

جس کمرے میں مجھے ٹھہرایا گیا ہے اس میں دو بڑے بڑے بڈ ہیں۔ اتنی بڑی مسہری ہے جس میں بیک وقت دو تین آدمی فراغت سے سو سکتے ہیں، اس پر ایک ایک فٹ موٹے دو اسپرنگ بڈ ہیں۔ ان پر پروں کے دو تکیے لحاف کمبل۔ ٹیبل لیمپ۔ کرسیاں صوفے، سنگار میز ٹیبل سب کچھ ہے

کھانے سے فوراً فراغت کے بعد برادرم خورشید کے چھوٹے بچے نے اذان دی جماعت سے نماز عشاء ادا کی گئی امریکہ میں ہندو پاک سے آنے والے مسلمانوں کے گھروں میں سب سے اہم مسئلہ اولاد کا ہے۔ اور تقریباً باہر کے تمام ملکوں میں یہ مسئلہ بہت اہم ہے۔ میں نے ہندستان سے امریکہ کا سفر نہ سیاحت کیلئے کیا ہے نہ ملازمت کے لئے نہ تجارت کے لئے۔ میں نے یہ سفر محبت کے لئے کیا ہے مجھے یہی کمائی عزیز ہے، اسی کمائی کا مجھے ہنر آتا ہے، اور اسی کمائی کو جمع کرنے کی مجھے ہوس ہے۔ مجھے یہی شراب محبوب ہے، اسی کا نشہ مجھ سے غزل کہلواتا ہے اور اسی کا سرور مجھے غم جہاں

www.taemeernews.com

اور غم جاناں اور غم روزگار کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت اور طاقت بخشتا ہے۔ میں امریکہ میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ سات سمندر پار جا کر بسنے والے اپنی بستی کی ندیوں نہروں کو کتنا بھول گئے ہیں اور کتنا یاد رکھا ہے.... وہاں کے انگور سیب اور ناشپاتیوں میں اپنے دیس کے بیر جامن اور امرود کی لذت کتنا فراموش کر چکے ہیں کوٹ پینٹ اور ہیٹ کی گراں باری میں کرتہ پاجامہ اور انگرکھے کی سبک پیرھنی سے رشتہ کس حد تک توڑ چکے ہیں۔ یہاں آکر دیکھا کہ۔ نشہ تو ٹوٹ چکا ہے خمار باقی ہے

سب سے پہلے یہی دیکھا کہ جس طرح روشندانوں، کھڑکیوں دروازوں کو جالیوں اور شیشوں سے ایرٹائٹ کر کے گھروں کو گھر کے باہر والے شدید موسمی اثرات سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ گھر کے اندر کی ناگذیر مغربیت کی آغوش میں مشرقیت کی روح زندہ اور بڑی حد تک سلامت ہے سب سے پہلے برادرم خورشید کی اہلیہ، خالص بہاری لباس، آداب، تہذیب اور شائستگی کے ساتھ ملیں اور کھانے کے دسترخوان پر مشکل سے یہ یقین آیا کہ میں پٹنہ کے محلے سبزی باغ میں نہیں شکاگو کے ڈاورس گردو میں ہوں، ہرے مٹر کی گھگھنی، پھول کوبی کی ترکاری، آم کا اچار، اور اسٹو کے ساتھ گرل بھی، میں بدقسمت بدخوارہ، نہ اسٹو کا شائق نہ گرل کا، لیکن پنڈت جی کے لئے گھگھنی اور ترکاری کے ساتھ گکھن اور ڈبل روٹی مل ہی گئی۔ اور ساتھ ساتھ شکر خورے کو گلاب جامن میں شکر بھی پیٹ بھر کر ملا۔ اور پھر جب بچے نے اذان دی اور جماعت کی نماز کا اہتمام ہوا تو دل نے کہا کہ شکاگو کے محلے کے نماز خانے میں اذان کی گونج کیا بعید ہے کہ انشاء اللہ

www.taemeernews.com

اقبال کے شعر میں ماضی کی داستان مستقبل کی بشارت بن جائے۔

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شکاگو جب آیا تو لوگوں کی خواہش ہوئی کہ میاں کلیم کو شہر کی سیر بھی کرائی جائے۔ انہیں کیا معلوم کہ

ہوسِ سیر و تماشہ سو وہ کم ہے ہمکو

محترم حضرت مولانا علی میاں مدظلہٗ کا جو سفرنامہ پڑھا، سیر و تماشے کم نظر نہ آئے، مولانا کے سفرناموں میں ملکوں کی شکلیں مکانوں کی صورتیں، باغوں کے چہرے عمارتوں کے نقشے محلوں اور محل سراؤں کے مرقعے بہت ملتے ہیں، مولانا کو ہوس سیر و تماشہ کم نہیں، ہمیں لوگ بہ اصرار موٹر میں لیکر نکلے اور اپنے خیال میں وسیع شاہراہوں، پر رونق بازاروں فلک بوس عمارتوں کی طرف مجھے متوجہ کرتے رہے، اور میں اپنے خیال میں مگن ان لوگوں کے ٹوکنے پر کبھی کبھی چونک پڑتا۔ اور انتہا تو اس وقت ہوئی جب برادرم خورشید اور برادرم افضل امام۔ شکاگو کے مرکزی مقام "ڈاون ٹاؤن" میں پچاس منزلہ، سو منزلہ عمارتوں کی طرف اشارے کرتے ہوئے، تفصیلات بیان کرتے ہوئے، بادلوں کو چھوتی ہوئی ایک سیاہ عمارت کے قریب لائے اور کہا کہ یہ دنیا کی بلند ترین ایک سو چودہ منزلہ عمارت ہے اور دنیا کی چند مشہور عجائبات میں ہے، جسے دیکھنے کیلئے چار دانگ عالم سے زائرین آتے ہیں۔ اور عمارت کے گرد بہت دور دور تک زمین کے اندر کئی منزلہ تہ خانوں میں انکے کاروں کو فی گھنٹہ اجرت پر رکھا جاتا ہے جو عمارت دیکھنے کیلئے زائرین آتے ہیں

www.taemeernews.com

یا عمارت کے مختلف دفتروں میں کام کرتے۔ بہت اصرار پر اس خیال سے کہ دوستوں کی ہمت شکنی نہ ہو، میں بھی کار سے اترا اور عمارت کی طرف چلا۔ عمارت کے ایک حصے میں ہجوم نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ لفٹ کے ذریعہ اوپر جاکر منظر دیکھنے کو جانیوالوں کی بھیڑ ہے۔ پھر دیکھا کہ کئی قطاروں میں لوگ مختلف کھڑکیوں کے سامنے کھڑے ہیں۔ یہ کیا ہے بھائی؟ معلوم ہوا کہ یہ لفٹ پر جانے کیلئے ٹکٹ لے رہے ہیں..... کتنا ٹکٹ ہے بھائی؟ معلوم ہوا ڈیڑھ یا دو ڈالر فی کس یعنی پندرہ روپے .... ایسا لگا جیسے بدن میں جھرجھری آگئی۔ یار گوں میں حرارت دوڑ گئی، میں جم کر کھڑا ہو گیا۔ بھائی خورشید.... میری آنکھوں کو یہ عیاشی گوارہ نہیں..... گھنٹہ دو گھنٹہ کار ٹھہرانے کی اجرت دیجئے، اور پینتالیس روپے کے تین ٹکٹ خریدئے وقت ضائع کیجئے، اور ایک سو چودہ منزل سے شکاگو شہر پر طائرانہ نگاہ ڈالئے۔

اس دردسر کے واسطے فرصت نہیں مجھے

اتنی دیر میں بغیر خرچ اپنے دل کے اندر نگاہ ڈال کر کچھ موتی نکال لوں گا۔

.....چنانچہ ہم لوگ واپس چلے آئے....

دو تین روز بعد۔ برادرم خورشید عالم کے بڑے ہال میں ایک خصوصی مشاعرہ ہوا۔ یہ خصوصی محفل بھی پچاس ساٹھ اہل ذوق پر مشتمل تھی، شکاگو اردو کی سرزمین سے پندرہ ہزار میل دور۔ لیکن محفل جمی تو ایسا لگا کہ عظیم آباد، یا لکھنؤ یا حیدرآباد میں ہیں۔ جناب پروفیسر عابد اللہ غازی جناب پروفیسر چودھری نعیم، جناب پروفیسر نجمی جناب ولی عالم

www.taemeernews.com

جناب سعیدی حیدرآبادی جناب اعجاز رسول جناب امجد انصاری، جناب افضل امام اور لاؤڈ اسپیکر بھی، مائکروفون بھی، فوٹو کیمرہ بھی ٹیلیویژن بھی ارے اُردو؟ تو اتنی آفت ہے؟ اتنی قیامت ہے؟ اتنی سخت جان ہے؟ کوئی منزل کوئی مقام کوئی بلندی کوئی دوری تیری دسترس سے دور نہیں؟ تو سات سمندر پار کرلے؟، کوہ قاف عبور کرے؟، طوفانوں میں تھمی رہے؟ برفباری میں جمی رہے؟ سیٹ میں گھس جائے، کوٹ میں سما جائے؟ پتلون میں اتر جائے..... واللہ تو انسان ہے یا جنات ہے.... اور پھر شعر خوانی چلی تو ایسا لگا کہ اردو کو چاند پر رکھو، مریخ پر لے جاؤ، زہرہ یا مشتری کی سیر کراؤ، یہ بات کرے گی اُسی سرزمین کی جہاں یہ پیدا ہوئی اور اس انداز سے کرے گی کہ ہر سرزمین والے کو وہ سرزمین اپنی لگے گی۔

یہ محفل دس بجے شب سے تقریباً ایک بجے تک چلتی رہی۔ اور برادرم خورشید عالم کندھے سے ٹخنوں تک سفید توپ میں یوں لگ رہے تھے جیسے اس محفل کا مہمانِ خاص شاہ خالد کے چھوٹے بھائی کو بنا دیا گیا ہو حالانکہ وہ بے چارے مہمانوں کی میزبانی کرتے کرتے تھک تو نہیں رہے تھے اور چُپ ہو رہے تھے جیسے کسی کا مصرع سنا تھا کہ ع

ترے فراق میں گھل گھل کے ہو گئے ہاتھی

برادرم خورشید عالم کے گھر کی آبادی سات افراد پر مشتمل ہے جس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ خورشید صاحب کے علاوہ ان کے بھتیجے عدنان جو کراچی سے بغرض تعلیم میرے شکاگو پہونچنے کے ایک ہی ہفتہ قبل آئے ہیں ..... انجینیرنگ کے طالب العلم ہیں، محنت کے شوقین ہیں امریکہ میں

www.taemeernews.com

انجینیرنگ کی تعلیم میں کمپیوٹر کو زیادہ دخل ہے اس لئے دل برداشتہ ہیں کہ اپنا جوہر آزمانے کا موقع کم ملتا ہے، تیز اور ذہین ہیں اور میری دیکھ بھال پر ہی معمور ہیں، میرے آنے کے بعد برادرم خورشید کے چھوٹے بھائی سلطان، تقریباً تین سو میل دور اپنی تعلیم گاہ سے اہلیہ اور بچے کو لیکر آئے، اور چار پانچ دن رہے، اور ساتھ ساتھ چودھریوں کے چودھری، صلاح الدین چودھری بھی کلکتہ سے لندن، لندن سے امریکہ آگئے۔ حالاں کہ وعدہ یہ تھا کہ میرے آنے سے قبل یہ شکاگو میں موجود رہیں گے۔ مگر بھلا چودھری یوں تھوڑی ہی آتا ہے، ان کے استقبال کو مجھے پہلے پہونچنا پڑا، اور جب تک رہے سارے گھر پر سوار رہے یا سارے گھر کو اپنے سر پہ اٹھا رکھا جس موضوع پر گفتگو کیجئے، سیاست، معاشرت، تجارت، ملازمت، تعلیم، زبان، ادب، مذہب، تہذیب، تمدن، سائنس، کاریگری، موٹر ہوائی جہاز، دوستی، دشمنی، ایمان، مکر فریب، ہر موضوع کے چھڑتے ہی منٹ دو منٹ خاموش رہیں گے اس کے بعد بہت انکساری سے گفتگو میں شامل ہو جائیں گے، جیسے رات کو سونے میں آہستہ سے کان میں چونٹی داخل ہو جائے، چونٹی کا کان میں داخل ہونا شرط ہے، پھر آپ جانتے ہیں کہ کان میں گھسی ہوئی چونٹی کیا طوفان اٹھاتی ہے، بس صلاح الدین صاحب گفتگو میں شامل ہوئے تو سارا مجمع مقتدی ہے اور صلاح الدین صاحب امام، یا سب طالب العلم اور وہ لکچرار اور پھر یہ ثابت کر دیں گے کہ اس موضوع ہی پر انہوں نے ڈی لٹ کی ڈگری بس ابھی ابھی لی ہے۔

ان کے مقابلے میں برادرم ضیا ہیں جو دس بارہ سال یورپ کے

www.taemeernews.com

مختلف شہروں میں تعلیمی اور معاشی سرگرمیاں گذارتے ہوئے چند برسوں سے امریکہ میں ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بس ابھی ابھی بارود سے تو نہیں مگر بارود کے قریب ہی کسی گاؤں سے آئے ہیں۔ بس سمجھ لیجئے کہ گویا تا ہیں ایسے رہیں گے جیسے بے چارے ہونے والے سسرال میں منہ دکھائی میں آئے ہیں، سمٹے سمٹے چپ چپ، بولیں گے تو یوں جیسے ہر لفظ کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں یا ہر لفظ کے ساتھ سننے والے کو قیمت بھی دینا چاہتے ہیں بہت ہنس مکھ اور بھولے بھالے

سلطان میاں، صلاح الدین صاحب اور ضیا صاحب کے برعکس آدمی ہیں، بہت سنجیدہ، ضرورت سے زیادہ نہیں بولتے بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اور ہر بات کو دینداری کی آنکھ سے دیکھنے، دینداری کے دماغ سے سمجھنے اور دینداری کی زبان سے بولنے کی مشق رکھتے ہیں اور سب کو بزرگ سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ مجھ کو بھی، میں نے بھی بے چارے کا دل توڑنا نہیں چاہا جو وہ کہتے رہے۔ میں ہاں میں ہاں یہاں تک کہ وہ مجھ سے بار بار دعا کے لئے کہتے رہے اور میں بھی ضرور ضرور کہتا رہا..... ایسے بے چاروں کا یہی حال ہوتا ہے...... وہ چھوٹی سے چھوٹی داڑھی کے بس دھوکے میں آجاتے ہیں اور نہیں جانتے ہیں کہ ٹٹی کی آڑ میں کیا ہے۔

برادرم ڈاکٹر خورشید عالم کی اہلیہ عارفہ کو دیکھکر اپنا یہ شعر یاد آتا ہے..... اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہم ہی نہیں ہیں کوئی اور بھی ہے۔

بچی ہوئی ہے محبت کی آبرو ہم سے
ہم اس زمانے میں اگلے زمانے والے ہیں

www.taemeernews.com

وہ شکاگو میں، شکاگو کی نہیں معلوم ہوتیں، سات آٹھ آدمیوں سے گونجتے ہوئے اتنے بڑے گھر کو، انہوں نے تنہا اپنی ذات سے سجا رکھا ہے بنا رکھا ہے سنبھال رکھا ہے، اتنی بڑی ذمہ داری اور اتنی گوناگوں مشقتوں، خبرداریوں، نگہداشتوں کو انہوں نے پھول کی طرح اٹھا رکھا ہے نہ کبھی چہرے پر میل نظر آتا ہے، نہ تیور پر بل نہ پیشانی پر شکن، نہ جسم پر تکان، وہ بہترین اہل خانہ، بہترین بیوی، بہترین ماں، بہترین سکریٹری، بہترین اسسٹنٹ اور جہاں تک میرا تجربہ ہے بہترین میزبان بھی ہیں شعر پھر دہرانا چاہئے

بچی ہوئی ہے محبت کی آبرو ہم سے
ہم اس زمانے میں اگلے زمانے والے ہیں

خورشید صاحب کی والدہ کے ساتھ جو گھڑیاں، منٹ گذرتے ہیں تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔ میں تو بہت کم سنی میں بزرگوں کی شفقت سے محروم ہو گیا۔ ان کی قربت سے اس محرومی کا احساس کم ہو گیا۔ میری طرح وہ بھی قدیم روایات اور قدروں کی ڈائری ہیں، جس طرح مرے لئے پرانی یادیں فرحت اور بشاشت کا ذریعہ انہیں بھی پرانی باتوں سے مسرت حاصل ہوتی ہے، اور انہیں مستقل مجھ سے یہ شکایت رہی کہ تم کیوں اتنا کم کھاتے ہو اور شاید انہیں اس کی فکر بھی ہو جاتی ہے۔

اور برادرم خورشید کی حیثیت تو شکاگو کے حلقۂ احباب میں وہی نظر آتی جو کسی میکدے میں پیر مغاں کی ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ یہ منصب انہیں وقت سے کچھ پہلے مل گیا۔ بات در اصل یہ ہے کہ کچھ بچے جوانوں کی سی باتیں کرتے ہیں، یا کچھ لوگ جلد جوان ہو جاتے ہیں اور بہت دیر

www.taemeernews.com

میں بوڑھے ہوتے ہیں اس لئے انہیں بڑھاپے والا کام جوانی ہی میں
کرنا پڑتا ہے اور اتنی دیر تک کرنا پڑتا ہے کہ بعض بوڑھے انتظار کرتے
کرتے مرجاتے ہیں ، کچھ اس نوعیت کا معاملہ خورشید عالم کے ساتھ بھی ہوا
ہے ، یعنی انہیں جوانی میں بڑھاپے والا کام مل گیا ہے اور اندازہ ہے کہ منسٹری
جلد بدلنے والی نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی نے وزارت خارجہ اور وزارت
داخلہ میں ایسی مہارت حاصل کرلی ہے کہ کارٹر آتے رہیں گے کینیڈی جاتے
رہیں گے لیکن ڈاکٹر کے میک نہ بدلے ہیں نہ بدلیں گے۔ شکاگو کے سڑکوں
گلیوں کے ایک ایک ٹھیکرے کو یہ پہچانتے ہیں اور ایک ایک ٹھیکرا
انہیں پہچانتا ہے ، شکاگو کے ایک ایک مکان کا پتہ مع سمت راستہ اور
مسافت کسی جانے والے کو یا آنیوالے کو یوں بتاتے ہیں جیسے کوئی اپنے
گھر کی کوٹھریوں ، کھڑکیوں اور دالانوں کا پتہ دیتا ہے وہ شکاگو جو سینکڑوں
میل کے رقبہ میں یوں پھیلا ہوا ہے کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک
کہیں کہیں پچاس میل مسافت ہے اور اس طویل اور عریض شہر میں سڑکیں
اور گلیاں یوں ہیں جیسے صحیح معنوں میں مکڑی کا جالا اور اس جالے میں گاڑی
چلانے یعنی ٹریفک کا قانون ایسا ہے کہ اگر کسی گلی میں مڑنا بھول کر دس
پانچ گز بھی سڑک پر آگے بڑھ گئے تو ہندستان کی طرح ایسا نہیں ہے کہ
پھر گاڑی موڑ کر اس گلی میں آجائے اب تو آپ کو دس میل آگے بڑھ کر ہی
مڑنے کا موقع ملے گا۔

امریکہ امریکیوں کا ملک ہے۔ اس ملک کو دیکھنے کے لئے مجھے امریکیوں
کو دیکھنا چاہیئے تھا، لیکن اس ملک میں رہنے والے یوں نظر نہیں آتے جیسا

www.taemeernews.com

ہم ہندستان کے شہروں میں دیکھتے ہیں کہ جس طرف نکل جائیے، جس سڑک سے گذر جائیے، جس گلی میں داخل ہو جائیے، راستہ چلنے والوں میں کھوے سے کھوا چھلے گا۔ جہاں آپ چلنے والوں کا چلنے کا انداز دیکھیں گے، باتیں کرنے کی ادا دیکھیں گے۔ خوش ہونے یا خفا ہونے کا طرز دیکھیں گے۔ ان کے مزاج اور معاشرت کا رنگ و رخ دیکھیں گے، یہاں تو سب کے سب کاروں میں چلتے ہیں، یا گھروں میں دفتروں میں بند رہتے ہیں، صبح گھر سے نکل گئے۔ کارخانوں میں، اسپتالوں میں، دفتروں میں داخل ہو گئے، وہاں سے نکلے تو رات ہو جاتی ہے، آکر گھروں میں بند ہو جاتے ہیں، سڑکیں صرف کاروں سے آباد ہیں، جدھر دیکھئے قطار در قطار گاڑیاں آرہی جارہی ہیں یا قطار در قطار گاڑیاں کھڑی ہوئی ہیں، باہر سڑکیں، سنسان، گلیاں سنسان، یکّا دکّا ضرورت سے نکلے کار پر بیٹھے اور ہوا ہو گئے، یہاں اپنے ملنے والے دوست احباب کو دیکھ کر ملک کا عام باشندوں کی طرز رہائش اور معاشرت اور ماحول کا انداز ہوا۔ ابھی دس پانچ پندرہ سال سے جو مسلمان ہندستانی یا پاکستانی آکر آباد ہوئے ہیں، ان پر امریکہ کی عام زندگی کا رنگ آہستہ آہستہ چڑھ رہا ہے۔ جو لوگ آکر بسے ہیں روزگار کر رہے ہیں یا ملازمت کر رہے ہیں یا پڑھ رہے ہیں۔ جتنا کچھ اپنے ملک سے لیکر آئے ہیں تہذیب، معاشرت، مذہب کسی حد تک ڈھو رہے ہیں۔ نماز پڑھ لیتے ہیں، بہت ہیں جو نماز نہیں پڑھتے لیکن پڑھنے والوں کی بھی تعداد بہت بڑی ہے۔ گرچہ ابھی نماز امریکی نماز ہے، جس وقت آسانی سے ملا پڑھ لی۔ نہیں تو قضا کر دی، یاد آیا تو قضا پڑھ لی، روزہ بھی رکھ لیتے ہیں نماز جمعہ بھی ادا کر لیتے ہیں عیدین بھی

www.taemeernews.com

پڑھ لیتے ہیں اپنا ذبیحہ میسر ہوا تو خیر ورنہ یہودیوں کا ذبیحہ کھا لیتے ہیں ، رہائش سو فیصد امریکی ہے ، استنجہ خانے ویسے ہی غسل خانے ویسے ہی ، باورچی خانے ویسے ہی طعام خانے ویسے ہی خواب گاہیں ویسی ہی ، وہ تو خیر نباہ لیں گے . لیکن اولاد کا مسئلہ ٹیڑھا ہے . اولاد ویسی تیار ہوگی جیسے پچاس ساٹھ سال قبل تک ولایت امریکہ سے پڑھ کر آنے والوں کا حال عموماً ہوتا تھا ۔ اُن پڑھنے کے لئے آنے والوں کا تو تھوڑا ہی وقت گذرتا تھا ۔ اُس پر بھی زبان تو وہی "ہم کیسا مافک آدمی ہے" قسم کی ہوتی تھی ، عقیدہ اور ایمان پر جھاڑ دی پھر جاتا تھا ۔ وضع قطع رنگ روپ شکل صورت پر استری پھر ہی جاتی ہے یہ تو صرف چند برسوں کی رہائش کے نتیجے میں ہوتا تھا اب جو اولاد یہیں پیدا ہو رہی ہے ، یہیں نشو ونما پا رہی ہے . اور یہیں کی تہذیبی اور تعلیمی اور معاشرتی اداروں میں نشو ونما پا رہی ہے ، اس کا ڈھانچہ تو دس بیس سال میں وہی ہونے کا اندازہ ہے جو ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں یا اکبر الٰہ آبادی کے قطعات میں سنتے ہیں یہ اس لئے کہ باپ دفتر میں اسپتال میں کارخانے میں کام کرتے ہیں ، ماں بینک میں ، اسٹور روم میں کام کرتی ہیں ، صبح ہوئی ۔ جلدی جلدی چائے بنائی ڈبہ کھولا بسکٹ ، مکھن پنیر حلق میں چائے کے گھونٹ کے ساتھ اونڈیلا ، اسکول کی گاڑی پر بچوں کو روانہ کیا ۔ باپ نے اپنی گاڑی نکالی ، ماں نے اپنی گاڑی ۔ دونوں نے اپنا اپنا راستہ پکڑا . سہ پہر کو لڑکے بچے بچیاں ، اسکول کی گاڑی پہ گھر آئیں ، گھر کے قفل کی چابیاں ان کے پاس ہوتی ہیں ۔ دروازہ کھولا اندر آئے ۔ فریج کھولا ۔ جو کچھ اس میں رکھا تھا ۔ کھایا پیا ٹی وی کھولی تماشہ دیکھنے بیٹھ گئیں ۔ شام کو دیر کے بعد ماں باپ

www.taemeernews.com

آئے اور وہی عمل کیا جو بچوں نے کیا، رات دس بج گئے تھکے تھکائے بستر پر گئے۔ صبح تک سوتے رہے، ڈیڈی، ممی سے گڈ نائٹ گڈ مورننگ سے کچھ ہی آگے سروکار رہتا ہے، اور اسکول کالجوں میں ہم ہندستان ہی میں بچوں کا کیا حال دیکھتے ہیں یہ تو امریکہ ہے جہاں ہر سال دو لاکھ سے زیادہ نابالغ بچیاں حاملہ ہو جاتی ہیں ..... اکثر ہندستانی اور پاکستانی والدین کی زبانی ان کے پانچ سے سات آٹھ سال ہی کی عمر کے بچے بچیوں کے متعلق شکایت سنی اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ والدین کچھ کہہ رہے ہیں بچے بچیاں کچھ کر رہی ہیں، اسی عمر میں وہ والدین کی اطاعت سے باہر ہیں تو پھر

یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اکثر والدین اس بات کے متعلق فکرمند ہیں اور میں نے اکثر والدین سے عرض کیا ہے کہ صرف فکرمندی کام نہ دیگی۔ کچھ دنوں بعد یہ فکرمندی بھی ختم ہو جائیگی۔ ضرورت عمل کی ہے۔ اور اپنی طرز عمل اور رہائش۔ میں مقصد اور موضوع زندگی میں اصلاح کی ہے۔ اگر اس پر عمل ہوگا تو مستقبل محفوظ ہوگا۔ ورنہ خطرناک تاریکی اللہ نے ہر انسان کو اچھی مٹی سے بنایا ہے، اس مٹی کی ساخت ہو جانے کے بعد اس زندگی کا ماحول اور معاشرہ اسے اچھا رکھتا ہے یا خراب کر دیتا ہے، اچھا ماحول بڑی محنت سے بنتا ہے اور بڑی محنت سے باقی رہتا ہے، برا ماحول آسانی سے بن جاتا ہے اور آسانی سے قائم رہتا ہے، اور اب زندگیاں آسانیوں کی خواہش مند اور طلبگار ہیں، لہذا اچھا ماحول نہ بن سکتا ہے نہ بن کر باقی رہ سکتا ہے۔ یہ ملک بدل سکتا ہے بشرطیکہ بدلنے کا ارادہ

www.taemeernews.com

اور عزم ہو اور اس عزم اور ارادے کے اعتبار سے محنت ہو اور کام ہو۔ ایسا عزم اور ارادہ مقصد زندگی میں انقلاب پیدا کئے بغیر ممکن نہیں۔ انسانی تاریخ میں کبھی ایسا نہ ہوا اور انسانی تاریخ میں کبھی ایسا نہ ہوگا۔ مقصد زندگی اگر جلیل بنانا ہے تو تمنائے زندگی قلیل کرنی پڑیگی۔

اس کی تمنا قلیل اس کے مقاصد جلیل

آج ہماری تمنائیں پھیل گئی ہیں اور مقصد زندگی سکڑ کر معدوم ہوگیا ہے۔ بہرحال بات اس سلسلہ کی بہت بڑھ جائے گی۔ ہم تو شکاگو کی مختصر روداد سفر قلمبند کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں تو ہم شکاگو میں اپنے پہلے دور کے چند دن کے قیام کی بات کر رہے تھے۔ مشاعرہ کے بعد بھی تین چار دن قیام رہا۔ اس کے بعد کناڈا جانا ہوا۔ یہ جو مختصر روداد ہوئی یہ بیشتر شام سے رات تک کی سرگذشت ہے۔ دوستوں کی نشستیں، مشاعرے، دعوتیں یہ سب معاملات شام کے بعد شروع ہوتے ہیں۔ صبح سے شام کے اوقات، مسٹر بھٹو مرحوم نے تنگ و تاریک کوٹھری میں گذارے۔ میں کشادہ اور فراغ کمرے میں گذارتا ہوں جہاں بجلی کے ذریعہ پیدا کیا ہوا موسم ہے، بجلی کی روشنی کے ذریعہ در و دیوار میں حرارت ہے، در و دیوار کے اُس پار کبھی کبھی نظر پڑ جاتی ہے، تو سڑکیں ہیں درخت ہیں، سبزے ہیں، لیکن انسان نظر نہیں آئے۔ چڑیاں نظر نہیں آتیں، کتے بلی بھی نظر نہیں آتے، کوئی آواز بھی نہیں آتی۔ باہر کی ہوا بھی نہیں آتی اگر ہوا کو آنے کا راستہ دیا گیا تو ہوا کے ساتھ مکھی آجائے گی، مچھر آجائیں گے۔ پتنگے آجائیں گے، مختصر یہ ہے کہ گھر کے اندر باہر کی کوئی چیز نہیں آتی۔ بس باہر تصویر جیسا بے حس و حرکت منظر نظر آتا ہے اور میں

www.taemeernews.com

گھبرا جاتا ہوں اور نیچے تہہ خانہ میں چلا جاتا ہوں، کوئی کتاب اٹھا لیتا ہوں، یا قلم لے لیتا ہوں یا کچھ گنگنانے لگتا ہوں یا لحاف میں منہ چھپا کر پڑ رہتا ہوں۔ نیند نہ دن کو کبھی آئی ہے نہ اب آسکتی ہے۔ صبح چار پانچ بجے اٹھ جاتا ہوں ساڑھے چھ بجے آفتاب نکلتا ہے۔ میں اپنے معمولات سے آٹھ بجے تک فارغ ہو جاتا ہوں، پھر کچھ لکھنے یا پڑھنے کا کام کرتا ہوں، یا کپڑے دھونے یا سینے لگتا ہوں پھر غسل کرتا ہوں، اس میں دس بج جاتے ہیں، ناشتہ دس گیارہ کے درمیان کرتا ہوں۔ میں ہمیشہ کم خوراک رہا ہوں، یہاں آکر زیادہ کم خوراک ہو گیا ہوں، ناشتے کے بعد پھر کچھ پڑھنے لکھنے کا کام کرتا ہوں۔ ظہر ایک بجے، عصر تین بجے مغرب ساڑھے چار بجے، مغرب کے بعد کہیں دعوت میں یا کہیں نشست میں یہ معمولات ہیں۔

شکاگو سے ۱۰ اکتوبر کو ٹورنٹو کناڈا کو روانگی ہوئی، ہوائی جہاز پر سفر کرنا ویسا ہی ہے جیسے کسی چور کا شناخت سے گذرنا۔ پہلے پاسپورٹ کی جانچ پڑتال۔ پھر ایک ایک سامان ایک خاص مشین سے گذارا جائے گا کہ کچھ غیر قانونی سامان تو نہیں ہے۔ پھر ایک خاص قسم کے بکس نما چیز سے گذرنا ہوتا ہے جو قد آدم ہوتا ہے۔ اس کے بعد کوٹ یا شیروانی اتار کر بجلی کے ایک آلے کو بدن کے تمام حصے سے گذارنا پڑتا ہے۔ تب اس کے بعد ہوائی جہاز پر جانے کی اجازت ہوتی ہے، عورتوں، مردوں، بچوں سب کو ان مراحل اور مناسک سے گذرنا پڑتا ہے۔ جہاز کے مسافروں میں عورتوں مردوں کی تعداد تقریباً مساوی ہوتی ہے، میاں بیوی کے ساتھ سفر کرتے ہیں، بیوی میاں کے ساتھ، اس خشک انسانیت کی سرزمین پر۔ جہاں

www.taemeernews.com

اولاد بوڑھے باپ کو پاگل خانوں میں اور بوڑھی ماں کو شفا خانے میں زندگی گذارنے کو بھیج دیتی ہے اور جہاں شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو آنکھ جھپکتے طلاق دیدیتی ہے۔ کبھی کبھی گل تر بھی نظر آجاتا ہے۔ اور شکاگو سے کناڈا یا کناڈا سے شکاگو آتے ہوئے ایک بار بیک وقت دو منظر ساتھ ساتھ نظر آئے۔ مسافروں کو ایر پورٹ پر جس آخری دروازے پر پہونچانے کو آنے والوں سے رخصت ہونا پڑتا ہے میں قطار میں کھڑا تھا میرے آگے ایک ادھیڑ عمر کی عورت تھی اوورکوٹ پہنے ہوئے اور چشمہ لگائے ہوئے اس کی بغل میں ایک نوجوان کھڑا تھا۔ آگے والے مسافر آخر دروازے میں چیکنگ کراتے ہوئے گذر رہے تھے۔ میرے آگے والی عورت جب اس مقام پر پہونچی تو وہ پلٹ کر اس نوجوان سے لپٹ گئی۔ اور چند منٹ تک لپٹی رہی۔ پیچھے والے مسافروں کو تاخیر ہو رہی تھی سب اس بات کو محسوس کر رہے تھے۔ مگر وہ عورت لپٹی رہی۔ اور بڑی مشکلوں سے الگ ہوئی۔ اور الگ ہوئی تو یوں کہ قدم آگے بڑھا لیکن نگاہ اسی کی طرف لپٹی ہوئی رہی اور چشمے کے شیشے سے اس کی آنکھیں تر بتر نظر آتی رہیں یہاں تک وہ دروازے سے ٹکرا گئی۔ اور ٹکرا کر گرتے گرتے بچی لیکن پھر بھی نگاہ اس لڑکے سے الگ نہیں ہوئی، اور اسی عالم میں آخر آخر تک وہ بڑھتی رہی۔ یہ ماں بیٹا تھے۔ اور اسی قطار میں، جب میں دروازے سے گذر گیا اور چیکنگ کاؤنٹر سے اپنا بیگ لے کر آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک جوان لڑکی اپنی چھوٹی بچی کی انگلی تھامے بغل سے تھیلا لٹکائے کاؤنٹر سے اڑی ہوئی ہچکیاں لے لے کر رو رہی ہے۔۔ نیند بھری آنکھوں سے علاحدہ ہوتا ہے، نہ گلے سے ہچکی جدا ہوتی ہے۔ یہ غالباً

www.taemeernews.com

کسی کی بیوی تھی۔ اس کا شوہر نظر نہ آیا۔ انسانیت کا مظاہرہ اور جذبات کے بے ساختہ اظہار کے یہ دو منظر مشرق میں تو خیر نظر آجاتے ہیں مغرب میں جہاں انسانیت نے عقل کے زور سے جذبات پر قابو پالیا ہے یا جذبات سے چھٹکارا ہی حاصل کرلیا ہے منظر عام پر یوں نظر آجانا بالکل اتفاق تھا جو میرے لئے ناقابل فراموش تھا۔ اور ناقابل فراموش ہے اسی لئے میں کہتا ہوں انسان اپنی بنیادی سرشت میں ہمیشہ اچھا پیدا ہوتا ہے زمانہ اُسے برا بنا دیتا ہے۔

صدیاں گذریں، کولمبس نے امریکہ دریافت کیا، اس کی سرزمین اس کے پہاڑ اس کے ریگستان اس کی ندیاں جھرنے چشمے، اس کی زمینوں میں، پہاڑوں میں ندیوں میں، جنگلوں میں چھپے ہوئے خزانے دریافت کئے گئے، پھر اس کے جانشینوں نے ان ریگستانوں میں گلزار اگائے، ان بے آب وگیاہ پہاڑوں میں سبزہ زار جگائے، ندیوں سے سونے چاندی ہیرے موتی نکالے ان گلزاروں کو سبزہ زاروں کو، سونے چاندی ہیرے موتی کے خزانوں کو پھر نام عطا کئے، نیویارک، واشنگٹن، ورجینیا، سان فرانسسکو...... یہ نام دو رسات سمندر پار بسنے والوں کے لئے ایسی ہی کشش رکھتے ہیں۔ جیسے افراسیاب کا طلسم ہوش ربا یا حسن بن صباح کا فردوس بریں۔ جہاں شیر وشہد کی نہریں بہتی ہیں، پھلوں کے باغ لہلہاتے ہیں، شبنم کے موتی برستے ہیں، حوروں کی بستیاں آباد ہیں، لب ورخسار کے گلاب کھلتے ہیں، زلف وکاکل کے بادل چھاتے ہیں، شاموں کی شفق پھوٹتی ہے، صبحوں کی نسیم گنگناتی ہے..... پھر ان سات سمندر پار کی بستیوں سے آئی ہوئی حوروں کو غلمانوں کو اپنی بستی کے

www.taemeernews.com

شہروں میں کبھی کبھی دیکھا..... مگر سمجھ میں نہیں آیا..... نام کچھ اور کام کچھ اور، تصویریں کچھ اور چہرے کچھ اور، خواب کچھ اور تعبیریں کچھ اور۔

کولمبس نے امریکہ دریافت کیا، میں کولمبس کے دریافت کئے ہوئے امریکہ میں بسنے والے انسانوں کو دریافت کرنا چاہتا تھا، قصے بہت سنے کہانیاں بہت سنیں، قصیدے بہت سنے، جی چاہتا تھا، جن سے قصے بنے ہیں، کہانیاں پیدا ہوئی ہیں ان کو دیکھوں، دیکھنے کی تمنا نہیں تھی۔ تمنا میں تو میری بہت سمٹ آئی ہیں، سمجھنے کی خواہش تھی۔ قصوں میں کہانیوں میں افسانوں میں تمنائیں ہی چھپی ہوئی ہوتی ہے..... یعنی حقیقت کے مواد سے انسان، قصہ نویس، افسانہ نگار اپنی تمناؤں کی تصویر بناتا ہے

از کدامے سحر و افسوں مہرباں سازم ترا
آنچہ می خواہد دل من آں چناں سازم ترا

سارے قصوں، کہانیوں، افسانوں ناولوں داستانوں کی بنیاد بس "آنچہ می خواہد دل من" پر ہی ہے۔ اسی کے لئے فنکار کے تمام سحر و افسوں کارفرما ہوتے ہیں..... تو میں سحر و افسوں کے طلسم چیر کر "مہرباں" کو دیکھنا چاہتا تھا، بات بس سے باہر تھی۔ اول تو "ہوس سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو" دوسرے یہ کہ اتنے طویل سفر کے اخراجات کا تحمل مجھے کہاں تیسرے یہ کہ یہ سب ہوتے بھی کسی ایسے محرک کی ضرورت سب سے زیادہ تھی، جو کسی حد تک مجھے "ہوس سیر و تماشہ" پر بھی آمادہ کر دے۔

برادرم افضل امام سے پانچ چھ سال سے بڑا گہرا ربط اور بڑی گہری ہم مزاجی ہے خدا جانے کینیڈا اور امریکہ کی لمبی چوڑی دنیا میں میرا کیا

www.taemeernews.com

غلط پروپگنڈا کیا کہ دونوں ملکوں کی بزم اردو کی طرف سے دعوت نامہ شرکت کے اصرار کے ساتھ پہونچ گیا۔ اس میں شک نہیں کہ میری ٹوٹی پھوٹی باتوں کے قدرداں یہاں بھی ہیں لیکن "ہر شخص اپنے درد میں یاں دردمند ہے" اور یہ درد دردِ دل نہیں دردِ سر ہے، کسے فرصت تھی کہ دردِ سر سے دردِ دل کی طرف متوجہ ہوتا، مگر

تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

اور دردِ دل نے اتنا بے چین کیا کہ لوگ دردِ سر بھول گئے، اور ان اہلِ درد کی نمائندگی برادرم ڈاکٹر خورشید عالم ملک اور برادرم افضل امام نے کی۔

..... جب یہ دعوت نامہ ملا۔ تو مجھے بھی ایک جھرجھری آئی۔ مشاعروں میں جانا چھوڑ دیا، ریڈیو پروگرام ترک کر دیا کیونکہ "گھر بیٹھے سر دھن لیتے تھے سن سن کر افسانے لوگ" لیکن امریکہ اور کینیڈا کے پتھر دلوں سے جوئے شیر رواں کرنے کی تمنا نے انگڑائی لی۔ اور دل نے کہا کہ میاں "ہر روز نیا طور نئی برق تجلی" کا سبق کیوں فراموش کرتے ہو؟..... بہت دن ہوئے میری کمسنی کے دور میں میری نانیہال قصبہ بلسہ ضلع پٹنہ میں ایک مشاعرہ ہوا۔ وہاں رجسٹری آفس میں نور آروی صاحب، ہیڈ کلرک تھے جب سے آئے تھے ایک حلقۂ شعر و سخن والوں کا بنا لیا تھا، انہوں نے اپنے استاد نوح ناروی جانشیں داغ دہلوی کو بلسہ مشاعرے میں بلایا..... میں بھی سامعین میں موجود تھا۔ دری اور چاندنی پر سرخ قالین کے درمیان مخملی گاؤ تکیے پر کہنی ٹیکے، جامہ دار کی شیروانی اور چوگوشیہ سیاہ ٹوپی پہنے ہاتھ میں پیچوان کی نے تھامے ستر پچھتر برس کی عمر بڑھاپے کے آثار تمام چہرے اور جسم سے نمایاں لیکن تیور

www.taemeernews.com

پر سو جوانوں کی جوانی رقص کر رہی تھی، مسکرا مسکرا کر کبھی سر ہلا ہلا کر دوسرے شاعروں کے کلام کی داد دے رہے تھے، آخر میں جب ان کے پڑھنے کی باری آئی تو پیچوان کی نے کسی کے حوالے کی، مسند کی ٹیک چھوڑ کر دوزانو بیٹھ گئے اور ایک دفعہ تن کر سینہ نکال کر سو جوانوں کی جوانی کا مجسم نمونہ بن کر جھوم کر رباعی شروع کی۔

اے نوحؔ، کمال اپنا دکھاتے جاؤ
دریائے سخنوری بہاتے جاؤ
پٹنہ میں تو اک حشر اٹھایا تم نے
ہلسہ میں بھی طوفان اٹھاتے جاؤ

نوحؔ ناروی مرحوم کا مستقل معمول تھا کہ وہ مقطع میں اپنے تخلص نوح کی رعایت سے طوفان کا لفظ ضرور استعمال کرتے تھے، بہر حال تو وہ جہاں جاتے اس قسم کا کوئی مقطعہ یا رباعی ضرور سناتے تھے..... میں کینیڈا امریکہ کوئی طوفان نوح اٹھانے تو نہیں آیا لیکن دعوت نامہ پاکر اپنی گوشہ نشینی سے نکلنے کی ہمت اس لئے کی کہ اہل امریکہ اور کینیڈا بھی ذرا اس درد کا مزا چکھیں جس درد کو میں نے اپنے ٹوٹے پھوٹے انداز میں برصغیر ہند و پاک کی ہواؤں میں بکھیر کر سینوں میں داخل ہونے والی سانسوں کے ذریعہ دلوں تک پہونچایا ہے اور رگوں میں دوڑ کر اونگھتوں کے لئے ٹھیلنے کا بہانہ بنایا ہے۔

۲۵ ستمبر کو پٹنہ سے روانہ ہو کر دہلی آیا اور ۲۶ کو دہلی سے شام سات بجے چل کر ساڑھے نو بجے کراچی پہونچا۔ اور دو دن وہاں رک کر ۲۹ ستمبر

www.taemeernews.com

کی شب میں ایک بجے یعنی ۲۸ ستمبر کا دن گذار کر ایک بجے شب میں پاکستان ایرویز کے ڈی سی ٹن پر کراچی سے روانہ ہوا، میں نے پی۔ آئی اے پر سفر کرنا خصوصیت کے ساتھ اس لئے پسند کیا کہ پاکستانی ماحول، پاکستانی معاشرت، پاکستانی تہذیب اور پاکستانی اخلاق و عادات سے ربط قائم رہے جس سے مجھے اپنے اوقات اور معمولات میں بڑی مدد ملے گی۔ پاکستان میں گذشتہ سال اور موجودہ سال دو دو ماہ قیام کرنے کا حسنِ اتفاق میسر آیا۔ اور وہاں کی معاشرت سے یک گونہ تشفی اور کئی گونہ توقعات حاصل ہوئے، وہ کراچی جسے میں نے پچیس سال پہلے دیکھا تھا اپنی مغربیت بہت کچھ ترک کر چکا تھا اور مشرقیت کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و معاشرت کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ہوائی جہاز پر سفر نصف شب کے بعد شروع ہوا تھا لیکن نصف شب پوری شب کی طوالت میں بدل گئی۔ اور مصر کے ایرپورٹ قاہرہ میں صبح کے آثار نظر آئے۔ جہاز تقریباً بارہ گھنٹے سفر کر چکا تھا۔ نیند کہاں اور آرام کہاں؟ ..... لوگ اپنی نشستوں پر اڑ کر سوتے رہے خراٹے لیتے رہے ہمیں نیند اتنا کہاں چاہتی ہے؟ بلاؤ تب بھی مشکل سے آتی ہے بن بلائے کہاں آتی ہے؟، بلانے کے لئے بستر چاہئے، تکیہ چاہئے، پلنگ نہ سہی فرش چاہئے، سونے کا انداز چاہئے، ارادہ چاہئے طلب چاہئے، دعا چاہئے ..... جہاز پر تنگ کرسی کی نشست میں یہ سب کہاں میسر؟ پھر نماز قضا ہونے کا خوف، خدا جانے کب صبح ہو جائے گی اور کہاں صبح ہو جائے گی۔ بس کرسی پر بیٹھا رہا۔ قاہرہ پہونچکر وضو کیا۔ خیال تھا کہ

www.taemeernews.com

پی۔ آئی اے کے جہاز پر استنجا وضو کا قدرے مخصوص نظام ہوگا مگر کہاں؟ ..... بہرحال وضو کرکے میں نے پی۔ آئی اے کے ایک اسٹاف سے جو جہاز کے بالکل پچھلے حصے میں ایک کشادہ جگہ پر کرسی پر بیٹھے تھے اور ماشاء اللہ چہرے پر داڑھی بھی تھی۔ اس کشادہ جگہ میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے خشک انداز میں کہاں یہ جگہ مناسب نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ اپنی کرسی ہی پر بیٹھے بیٹھے پڑھ لیں۔ بہرحال اس وقت تو میں نے وہی کیا اس لئے کہ جہاز سے اترنے کی اجازت بھی نہیں تھی۔ ظہر کے قریب جہاز پیرس پہونچا۔ اور ہمیں باہر جانے کی اجازت ملی۔ باہر کہاں؟ جہاز کے دروازے سے سطح ڈیک ہے جو ہر چہار طرف سے گھرے ہوئے بازار کی مانند ہے، جہاں دنیا کی تمام چیزیں اعلیٰ قسم کے دوکانوں میں شوروم میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ہوٹل ہیں، ریستوراٹ ہیں، شراب خانے ہیں، نشست گاہیں ہیں دوکانیں ہیں میں نے باتھ روم میں وضو کیا۔ اور باہر ایک بڑی نشست گاہ کے قریب ایک کنارے اپنا مصلیٰ بچھایا اذان دی اور ظہر کی نماز پڑھی یورپ کے عظیم ایرپورٹ پر شیشے کی طرح چمکتے ہوئے فرش، دلہن کی طرح آراستہ دوکانوں، شاہانہ نشست گاہوں میں بیٹھے ہوئے شاہانہ لباسوں میں ملبوس شاہانہ صورتوں کے سامنے، جن کی انگلیوں میں سگریٹ اور لبوں پر گلاس تھے۔ یہ مصلیٰ بچھا کر زمین پر سجدہ ریز ہونے کا منظر عجیب وغریب تھا..... مجھے لطف آیا اور مخصوص بشاشت کی کیفیت طاری ہوئی، شیروانی اور مخصوص ٹوپی، سفید پاجامہ داڑھی اور بغل میں حمائل شریف اور مسواک وغیرہ کا جھولا اس پورے پس منظر میں

www.taemeernews.com

عجیب کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ اور میرے لبوں پر اکثر میرا یہ شعر آجاتا تھا۔

بچی ہوئی ہے محبت کی آبرو ہم سے
ہم اس زمانے میں لگلے زمانے والے ہیں

مختلف ملکوں کے ایک لباس ایک انداز اور ایک ہی قسم کی شکل وصورتوں کے درمیان میری وضع قطع اور میرا انداز اور میرے معمولات اجنبی سے تھے لیکن موثر تھے۔ اور جب کبھی میں وضو یا اور کسی ضرورت کے لئے سیٹوں کے درمیان سے گذرتا تو لوگ جن میں مرد عورت لڑکیاں اور لڑکے سب تھے توجہ اور تکلف سے مجھے راستہ دینے کی کوشش کرتے۔ مگر خود پی۔ آئی اے کے اسٹاف جو کراچی سے نیویارک تک مسلمان ہی تھے کبھی کسی توجہ سے مخاطب نہیں ہوئے۔ ایک اسلامی ملک اور اسلامی معاشرت کے نمایندہ ہونے کے باوجود ان میں اور دوسروں میں کسی اعتبار سے کسی قسم کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ شکل وصورت بناؤ سنگار لباس و پوشاک طرز و انداز سے اس پورے مجمع کا ایک معمولی جزو تھے۔ پاکستانی جہاز پر ہونے کی صرف ایک شہادت تھی وہ یہ کہ اعلانات اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہو رہے تھے۔ پیرس سے پہلے فرنک فرنٹ ہی سے آزادی کے ساتھ جام و مینا کھنکنے لگے۔ اور کھنکانے والوں میں صرف غیر ملکی مسافر نہیں تھے بلکہ ملکی مسافر نواز بھی تھے۔ اور پھر سامنے پردے پر جب فلم دکھائی جانے لگی تو وہ سب کچھ تفصیل سے کھول کھول کر دکھایا جانے لگا جو لکھنؤ کے دور متبذل کے متبذل ریختی گو شعرا بھی اشاروں میں کہا کرتے تھے اور میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم جو بحیثیت مسلمان دنیا میں زندہ ہیں اور دیکھے جاتے ہیں اور

www.taemeernews.com

ذکر کئے جاتے ہیں اس کا سبب سبز گنبد کے نیچے کروٹ کروٹ آنسو بہا بہا کر دعا کرنے والے کے سوا اور بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

تقریباً اٹھائیس گھنٹے کے مسلسل سفر کے بعد ہم شام کو نیویارک پہونچے۔ یہ ۲۹ ستمبر کی شام تھی، کراچی سے وقت کے اعتبار سے اٹھارہ گھنٹے گذرے مگر تاریخ کے اعتبار سے اٹھائیس گھنٹے۔ نیویارک اتر کر فوراً ہی دوسرے جہاز سے مجھے شکاگو جانا تھا۔ پی۔ آئی اے کے اسٹاف سے بار بار میں نے کہا کہ مجھے دوسری فلائٹ سے شکاگو جانا ہے مجھے کیا کرنا ہے کہاں جانا ہے، میری فلائٹ کس وقت ہے بتائیے جواب یہی ملتا رہا کہ کسٹم کرانے کے بعد سب کچھ ہو جائے گا آپ کو رہبری کرنے والے مل جائینگے۔ لیکن کسٹم کے وقت کوئی ملا۔ نہ سامان اتارنے کے وقت کوئی نظر آیا، نہ راستہ دکھانے والا۔ نہ معلومات بہم پہونچانے والا۔ نہ رہبری کرنے والا۔ کسٹم سے فارغ ہو کر میں پوری عمارت میں پی۔ آئی اے کا دفتر اور اس کے اسٹاف کو حیران پریشان ڈھونڈتا پھرا کوئی نہ ملا۔ میں تھک کر ایک جگہ حیران کھڑا تھا کہ اب کیا کروں کہاں جاؤں کہ ایک طرف سے ایک لڑکی آکر مجھ سے لپٹ گئی، دیکھا تو میری بھانجی ریحانہ تھی۔ میں بھی خوشی میں اس سے چمٹ گیا، پھر میرے بھانجی داماد اور ان کے بچے بھی آئے یہ لوگ حساب اور قیاس پر ورجینیا سے چار سو میل دور نیویارک مجھے ملنے آگئے تھے، معتبر اطلاع ان کو نہیں تھی۔

ہم نے وہ شب وہیں ایک ہوٹل میں گذاری اور صبح ناشتے سے فارغ ہو کر ان کی کار پر چار سو میل کی مسافت طے کر کے جائے قیام ورجینیا

www.taemeernews.com

ہرسین برگ کے لئے روانہ ہوئے، بارش ہلکی ہلکی ہو رہی تھی اور امریکہ کو پہلی مرتبہ اس کی شفاف سڑکوں۔ پیچیدہ مگر نہایت فراخ اور کشادہ گذرگاہوں تیز رفتار کاروں کے ہجوم کے پردے میں دیکھا اور ہر تھوڑی دور پر سر راہ شاندار ہوٹلوں اور حسین ریسٹورانٹوں کے حسین فرش پر آرام دہ کرسیوں صوفوں کے سامنے خوبصورت میزوں اور ٹیبل پر رنگ رنگ کے قیمتی لباس میں ملبوس مردوں عورتوں لڑکوں لڑکیوں اور بچوں کو چائے کافی اور شراب کے ساتھ کیک پیسٹری، بسکٹ، اور چاکلٹ سے شغل کرتے ہوئے سرخ چہروں بھوری آنکھوں اور سفید اور سنہرے بالوں کی جھلکیوں میں دیکھا۔ انہیں کے درمیان میں نے وضو کرکے مصلی بچھا کر ظہر اور عصر کی نماز ادا کی۔ تو چند عورتوں اور مردوں نے میرے بھانجوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے انہوں نے کہا نماز پڑھی جا رہی ہے تو وہ متعجب بھی ہوئے اور متاثر بھی۔

نیویارک سے صبح چل کر مغرب کے وقت ہرسین برگ پہونچے۔ ہرسین برگ دو پہاڑوں کے درمیان تقریباً دو سو میل لمبی اور بیس میل چوڑی حسین اور دلفرا وادی کے درمیان آباد ہے، مجھے سیاحت کا شوق نہیں اور نہ افسانوں کی بنائی ہوئی اور بگاڑی ہوئی چیزوں کے دیکھنے کا شوق ہے، انسانی امکانات کا علم ہو چکا ہوا ہے ارتقا اس کا مقسوم ہے اس کی کل ہمیشہ آج سے مختلف ہوگی۔ اس کے تخلیقی امکانات ہمیشہ حیرت خیز رہینگے۔ آج بھی کل بھی یہ کیا سے کیا ہوگا نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کی عظمت کے مشاہدے سے خدا کی عظمت کے احساس میں اضافہ ہونا چاہئے۔ یہ عموماً نہیں

www.taemeernews.com

ہوتا..... آنکھیں کوتاہ بیں ہیں اور ظاہر ہی پر اعتماد کرتی ہیں، لیکن قدرتی مناظر کے مشاہدے سے یہ احساس جاگتا ہے.... اس لئے ہرسین برگ جاتے ہوئے ورجینیا کی وادی دیکھ کر بڑی شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ جس کا آئینہ اتنا حسین ہے وہ خود کتنا حسین ہوگا، جس کا ایک بال یا ایک بال کا ٹکڑا یہ آب و تاب رکھتا ہے اس کی پوری زلف کا کیا عالم ہوگا؟

دو دن وہاں قیام رہا۔ میری بھانجی ابھی چند ماہ پہلے کراچی سے یہاں آئی ہے..... وہ پہلے بھی کراچی میں مجھ سے بہت دور تھی اب اور بھی دور ہوگئی ہے اس سے مل کر خوشیوں کا کیا ٹھکانہ اور اس سے جدا ہوتے ہوئے غموں کا کیا حساب،..... ہم لوگ ہرسین برگ آئے۔ شکاگو کا پلین پرواز کرنے کے لئے مڑنے والا ہی تھا کہ دوڑ کر میں دروازے میں داخل ہوگیا۔ ڈیڑھ گھنٹے میں شکاگو پہونچ گیا۔ برادرم ڈاکٹر خورشید عالم ملک موجود تھے۔ ان کا گھر مغربی انگوٹھی میں مشرقی نگینہ ہے۔ ان کی اہلیہ اور ان کی والدہ کی شفقت اور اخلاق دیکھ کر یہ احساس ہوا کہ اپنی محفل سے نکلے نہیں ہیں اپنی ہی محفل میں ہیں، یا اسے موزوں مصرع بنانا ہو تو یوں بنا لیجئے۔

اپنی محفل سے نکل کر اپنی ہی محفل میں ہیں،

دوسرے تیسرے دن تین چار سو میل دور سے ان کے چھوٹے بھائی سلطان ملک بھی اپنی اہلیہ اور بچی کے ساتھ آگئے۔ اور کلکتہ سے انگلینڈ آئے ہوئے صلاح الدین چودھری بھی آگئے۔ اور پچاس میل دور ایک یونیورسٹی کیمپس سے ان کے چھوٹے بھائی شہاب الدین چودھری بھی آگئے

www.taemeernews.com

اور ایک صبح میں نماز صبح سے فارغ ہو کر مصلی پر ہی بیٹھا تھا کہ بغل کے کمرے سے ایک سردار جی نکل کر غسل خانے کی طرف گئے، میں گھبرایا کہ یا اللہ یہ مصیبت کہاں نازل ہو گئی..... وہ دو تین بار کمرے سے نکل کر مرے مصلے سے آگے تک ٹہلتے ہوئے آئے اور گئے۔ میں کنکھیوں سے دیکھتا رہا کہ آخر ان کا ارادہ کیا ہے..... پیچھے ایک دروازہ تھا جو سڑک کی جانب کھلتا تھا ..... میں نے کہا خدا جانے دروازہ رات کو کھلا رہ گیا اور یہ داخل ہو گئے ..... داخل ہوئے تو کس نیت سے کس ارادے سے؟.... اس ہال میں تنہا میں ہی ہوں، گرچہ کوئی سامان ایسا نہیں تھا جس کے اٹھائے جانے کا خوف ہو پھر بھی میں سخت کشمکش میں تھا، ظاہر ہے کہ میں کمزور ہوں لیکن ایسا گیا گذرا بھی نہیں کہ آنکھوں کے سامنے کوئی غلط کام کرے اور میں دیکھتا رہ جاؤں اس لئے میں نے بھی اپنا پترہ وغیرہ درست کر لیا کہ یوں ہو گا تو یوں کر دوں گا۔ پہلے تو چلاؤں گا تاکہ گھر کے دوسرے لوگ بھی بیدار ہو جائیں اس کے بعد اچھل کر ان کی پیٹھ پر دولتی ماروں گا۔ اچھل کود کی مشق پہلے خوب تھی گرچہ چھوٹ چکی تھی لیکن باسی کڑھی میں بھی ابال آ ہی جاتا ہے.... مختصر یہ ہے کہ تین چار منٹ میں میں نے اپنے دائرہ عمل کا اپنے ذہن میں نقشہ صاف بنا لیا..... کہ وہ تیسری بار مرے قریب آئے اور زور سے کہا "السلام علیکم"..... گرچہ اسلام میں غیر مسلم کو بھی سلام کا مسنون جواب دیا جا سکتا ہے، مگر میں چند لمحہ کچھ پس و پیش میں رہا سلام کہوں؟ پرنام کہوں؟ نمسکار کہوں، آداب عرض کہوں؟ تسلیمات کہوں؟ میں اسی فکر میں تھا کہ انہوں نے پھر کہا "السلام علیکم".... میرا نام

www.taemeernews.com

مسعود عالم ہے"..... استغفراللہ.... سچ ہے، ہاتھی گھوڑا گائے بیل کتے بلی سب پہچان لئے جا سکتے ہیں مگر انسان کو بیک نظر سمجھنا مشکل ہے، اصل میں میاں مسعود عالم ڈاکٹر مسعود عالم تھے اور شکاگو میں ملازم تھے..... کچھ دنوں سے عالم جذب و کیف میں تھے سر اور داڑھی کے بالوں کو کھلی آزادی دے رکھی تھی کہ کھاؤ پیو مزا کرو تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے، ظاہر ہے کہ برسوں کی قید سے کسی کو آزاد کرو تو کیا کیا اور کیسے کیسے وہ نہ کھل کھیلتا ہے، چنانچہ بالوں نے وقت کا ساتھ دیا تھا اور راکٹ کی رفتار سے مسافت طے کر رہے تھے بہرحال تو مسعود عالم صاحب برادرم خورشید عالم صاحب کے عزیز بھی تھے اور برادرم افضل امام (ٹورنٹو) کے بھی، ان سے ملاقات ایک مخصوص تجربہ تھا اس لئے وہ بھی بیان کرنا ضروری تھا۔

شکاگو میں آکر یہ اندازہ ہوا کہ انسان کے گھر باہر میں بھی اتنا فرق ہو سکتا ہے جتنا منافق کے ظاہر اور باطن میں ہوتا ہے یعنی

نہیں دل میں ہے لیکن منہ سے ہاں کرنا ہی پڑتا ہے

میں پلین سے شکاگو میں اترا اور دروازے پر کار تھی آکر بیٹھ گیا اور کار سیدھی گیرج میں آئی۔ جس کا دروازہ علی بابا چالیس چور کے قصہ کی طرح کھلتا اور بند ہوتا ہے یعنی کار گیرج کے دروازہ پر پہونچی اور شاید کار کی بونٹ نے "کھل جا سم سم" وغیرہ قسم کے کچھ الفاظ کہے دروازہ اٹھ گیا، کار اندر داخل ہو گئی پیچھے دروازہ بند ہو گیا..... گیرج ہی میں اندر مکان کا دروازہ بھی تھا وہ کھلا مکان کے اندر داخل ہو گئے کچھ

www.taemeernews.com

دیر بعد دسترخوان بچھا جس کی تیاری میں خورشید بھائی کی والدہ اور اہلیہ، دونوں ساس بہو اِس محبت سے انتظام کرتی رہیں جیسے پردیس سے کسی بیٹے یا بھائی کے آنے پر ہوتا ہے..... بہرحال تو کھانے سے فارغ ہوئے خورشید بھائی کے چھوٹے بچے نے اذان کہی، اور سب نے مل کر باجماعت نماز عشا، ادا کی پھر سو گئے، صبح ہوئی ناشتہ کیا اور حکم ہوا کہ چلو شہر دکھا لائیں..... شہر دیکھنے کا شوق تو نہیں لیکن اہل شوق کا دل رکھنا بھی ہم اہل دل کا شوق ہے. میں تیار ہو گیا کہ چلئے، ململ کا کرتہ پاجامہ میں نے پہن رکھا تھا۔ جوتہ پہن لیا..... چلئے جناب

"ارے چلئے جناب؟ یونہی چلو گے؟"

"کیوں کیا قباحت ہے، کرتہ پاجامہ کوئی معیوب لباس ہے؟ میں اسی لباس میں مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سے راج بھون میں مل چکا ہوں۔ شکاگو میں کون بزرگ ہیں جن کے لئے شیروانی پہنوں؟"

"ارے نہیں بھائی..... شیروانی ہی نہیں، پوری آستین کا گرم سوٹر پہنو، پاجامہ کے نیچے تھرمل پہنو موزہ پہنو گلوبند لگاؤ"

"خورشید بھائی آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو گنجی کے اوپر کرتہ بھی کچھ خوشگوار نہیں لگ رہا ہے"

"ارے جناب۔ گھر سے نکلو گے تو جم جاؤ گے"

مختصر یہ ہے کہ معلومات میں یہ اضافہ ہوا کہ ہم لوگ گھر کے اندر جس موسم میں ہے یہ موسم باہر کا نہیں ہے..... منافقوں کے یہاں اندر اصلی ہوتا ہے باہر نقلی..... یہاں گھر کے اندر نقلی موسم تھا اور باہر اصلی۔ گھر کے اندر

www.taemeernews.com

ستر بہتر ڈگری موسم بجلی کے ذریعہ بنایا ہوا نقلی موسم ہے باہر تیس۳۰ پینتیس۳۵ ڈگری کا اصلی موسم ہے۔ جہاں یخ بستہ ہوائیں چل رہی ہیں، کہر چھایا ہوا ہے اور ہلکی ہلکی برفیلی بوندیں پڑ رہی ہیں۔ اور موسم شدید ہوگا تو گھر سے باہر چار چار فیٹ برف جمی ہوئی ہوگی..... دور دور کوئی نظر نہیں آئے گا لیکن گھر کے اندر اسی طرح بنیان پہنے یا قمیض کی آستین الٹے لوگ اخبار پڑھ رہے ہوں گے باتیں کر رہے ہوں گے .....

اسی متضاد کیفیت میں یوروپ اور امریکہ کی زندگی ڈوبی ہوئی ہے، مکان ایسے حسین سجاوٹ میں ایسی دل آویز، لباس ایسا دلکش چہرے ایسے دلنشیں ادائیں ایسی دلنواز۔ کھانے ایسے دل پسند، کاریں ایسی دل ربا باتیں ایسی دلچسپ۔ سڑکوں، سبزہ زاروں دکانوں ہوٹلوں آفسوں اور روشنیوں کا وہ عالم کہ بے اختیار لال قلعہ کی دیواروں پر لکھا ہوا یہ شعر یاد آجائے کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است ہمیں است ہمیں است

لیکن زندگیاں اندر بے چین، بے اطمنان، بے سکون اور غیر آسودہ۔ مضمحل اداس۔ جنہیں پوشیدہ رکھنے کیلئے، کھیلوں، تماشوں، شراب خواریوں اور عیاشیوں کی بھیڑوں میں بے تحاشہ انسان کو دتے ہیں، دل محبتوں سے خالی رشتے گرم جوشیوں سے محروم تعلقات اور ملاقات اخلاص سے مبرا۔ دلوں میں رحم نہیں، آنکھوں میں مروت نہیں، ابھی انسان ہیں ابھی جانور، ابھی ہوش میں ہیں ابھی دیوانے، ابھی ہم بغل ہیں ابھی

www.taemeernews.com

خنجر بکف ابھی جام بڑھا رہے تھے، ابھی سینے میں ریوالور کی گولی اتار رہے ہیں، ابھی دوست ہیں ابھی دشمن، ابھی اپنے ہیں ابھی پرائے، نہ لحاظ عہد و پیمان ہے نہ پاس وضع و ایماں ہے نہ رشتہ معتبر ہے نہ ناتہ قابل اعتماد ہے، ہمارے یہاں راتیں دیر میں شروع ہوتی ہیں، یہاں سویرے سے ہی آغاز ہوتی ہے، اکثر مقامات ایسے دیکھے جہاں زرہ بکتر والی پولس گاڑیاں بھی جان کے خوف سے گذرنے میں ہچکچاتی ہیں، درانحالیکہ سڑکیں اور مکانات رات کو دن بنا دینے والے قمقموں سے جگمگا رہے ہیں اور منظر حسین چراغاں کو مات کر دیتا ہے،

امریکہ ہو یا کناڈا۔ صبح ہو یا شام ہو دن ہو یا رات ہو سڑکوں پر تقریباً عالم ہو ہو تا ہے۔ ہمارے یہاں ہندستان کے شہروں میں دنوں میں کیا رات گئے تک یہ عالم رہتا ہے جسے محاورے میں کھوا سے کھوا چھلنا کہتے ہیں، یعنی ایک دوسرے کو ٹکر مارے بغیر یا ایک دوسرے سے ٹکر کھائے بغیر کسی کا دو قدم چلنا دشوار، یہاں تو یہ عالم ہے کہ دن کے شباب کے وقت بھی، سڑکوں پر گذر جائیے دیر دیر پر قدموں کی چاپ کہیں سنائی دے گی۔

حضرت میر تقی میرؔ نے دلی کے عہن دلی کی دلکشی دلی کی دلربائی دلی کی رنگینی دلی کی رعنائی کی یاد میں دنیا کو اردو میں ایک لازوال فن دیا۔ دلوں میں اترنے والی اور دلوں کو ٹکرے ٹکرے کر دینے والی پر تاثیر شاعری دی

دلی کے نہ تھے کوچے اوراقِ مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

www.taemeernews.com

دلی کے کوچے دلی کی گلیاں دلی کی سڑکیں آج رنگ برنگ کی روشنیوں میں بھی امریکہ اور کناڈا کی رنگین اور حسین گلیوں کی خاک پا بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتیں چہ جائیکہ جب کہ اس تیل کی لالٹین جلا کرتی تھی یا موم کی شمعیں روشن ہوتی ہوں گی اور روغن تلخ یا شاعری کی زبان میں کبھی کبھی گھی کے چراغ اور سرسوں کے دیئے جلتے ہوں گے اُس وقت کیا اوراق مصور ہوں گی؟ اوراق مصور تو آج شکاگو کو دیکھو، ٹورنٹو کو دیکھو، واشنگٹن کو اور ورجینیا کو دیکھو، معلوم ہوتا ہے ہر مکان ترشا ہوا ہے، ہر ڈیوڑھی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، مکانوں کے سامنے سبزہ نہیں رنگین مخمل بچھا ہوا ہے، بالاخانہ سے فرش خانہ تک، ڈیوڑھی سے صحن تک جو چیز ہے بال بال بجی ہوئی نکھری ہوئی سنوری ہوئی ہے، نظر پڑے تو ہٹنے کا نام نہ لے، بس دیکھئے اور شعر پڑھئے کہ

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

لیکن کس کا "فرق" اور کس کا "قدم"؟ مکیں کا نہیں مکاں کا، مکان نظر آتا ہے لیکن شکل کہاں نظر آتی ہے؟ جسے ہم سانچے میں ڈھلی تصویر کہیں، مکان نظر آتے ہیں مکیں نہیں ملتے، نہ جھروکے سے کوئی جھانکتا ہے، نہ بالاخانے سے کوئی تاکتا ہے، نہ کہیں چلمنیں تھرتھراتی ہیں نہ کہیں پردۂ در ہلتا ہے بس مکانوں کو دیکھو، فرش مخمل کو شرمانے والے سڈول سبزوں کو دیکھو نازک اندام بام و در کو دیکھو، کہیں زندگی نہ تلاش کرو۔ جیسے سینوں میں دل بے روح ہیں اسی طرح مکان بے جان نظر آتا ہے، کبھی کبھی دیکھو گے تو

www.taemeernews.com

مالک مکان ہاتھ میں جھاڑو لئے جھاڑو دے رہا ہے، یا کھرچن لئے کسی بدرنگ دیوار کا پلاستر اجاڑ رہا ہے یا پوٹی میں اور رنگ میں لت پت برش لئے دیوار پر پالش کر رہا ہے، ورنہ حسین گھروں، دل آویز بالا خانوں اور رنگین در و دیواروں والے مکین، دفتروں میں کارخانوں میں ہوٹلوں میں اسپتالوں میں دکانوں میں مشین بنے ہوئے ڈالروں سے جیب بھرنے کیلئے محنت کر رہے ہوں گے۔ اِن محنت کرنے والوں میں باپ بھی اور بیٹا بھی، شوہر بھی اور بیوی بھی ماں بھی اور بیٹی بھی، ساس بھی بہو بھی سسر بھی داماد بھی، اور ان کی عدم موجودگی میں گھروں میں تالے پڑے ہوتے ہیں اور تالوں کے اندر بچہ پالنے پر جھول رہا ہے، یا کسی نرس خانے میں نقلی ماں کا دودھ پی رہا ہوگا یا گھر میں اندر آگ لگ رہی ہوگی اور بچہ جل رہا ہوگا، اور آس پاس اڑوس پڑوس میں کوئی ہوگا بھی نہیں جسے کھڑکیوں سے دھواں اٹھتا نظر آئے۔

شام کو تھکے ہارے باپ بھی آتے ہوں گے بیٹا بھی بیٹی بھی شوہر بھی بیوی بھی۔ اور دن بھر کی بے پناہ تھکن کو جیب میں پڑے ہوئے ڈالروں سے شراب خرید کر تھوڑی سی بے خودی کیلئے نہیں مکمل خود فراموشی کے لئے گلاس پر گلاس اور بوتل پر بوتل خالی کر رہے ہوں گے اور اس سے بھی تھکن دور نہیں ہو رہی ہوگی تو بیٹا باپ کے گلے پر چھری پھیر کر، شوہر بیوی کا سینہ توڑ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر رہا ہوگا اور اس سے بھی ٹھنڈک نصیب نہ ہوتی ہوگی تو اپنی کنپٹی پر اپنا پستول رکھ کر افیون کی گولی کی جگہ فولاد کی گولی کھا کر فرش پر چاروں شانے چت پڑا ہوگا۔

www.taemeernews.com

سات سمندر پار سے اسلام کے دشمنوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ اپنی سلطنتوں کا مال وقار وسائل اور اپنے گھر کی ناموس اس بات پر قربان کی کہ غلامان محمدؐ کے بدن سے روح محمدؐ نکال دی جائے۔

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
اہل عرب کو دیکھے فرنگی تخیلات　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

اور اسلام کو ایسا نکالا کہ عین صحن حرم میں برقعہ اتار پھینکا گیا اور جہاں سے اسلام اور شعارِ اسلام نکل کر یوروپ اور ایشیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا اس سرزمین عرب پر اسلام اور شعار اسلام کو پسماندگی کا سبب قرار دیا گیا مگر صدیوں بعد انہیں مراکز پر جہاں اسلام کشی کے منصوبے بنائے جاتے تھے اب اسلام کے چراغ روشن ہو رہے ہیں۔

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے

یوروپ اور امریکہ میں بسنے والے مسلمان وہ ہیں جو دس پندرہ برس پہلے مال کمانے آئے تھے مال کماتے کماتے ایمان کمانے لگے لاکھوں روپے کا مکان لاکھوں کے سامان میں رہکر اب یہ سوچنے لگے ہیں کہ جس نے مال دیا ہے مکان دیا ہے سامان دیا ہے وہ کیا ہم سے کچھ چاہتا بھی ہے؟ اور یہ جان کر کہ اس کے بڑے تقاضے اور بڑے مطالبے ہیں ان تقاضوں اور مطالبوں کے ادا کرنے کیلئے اب فکرمند ہیں، شکاگو میں دیکھا، ٹورنٹو میں دیکھا، ونڈسر اور ڈیٹرائٹ میں دیکھا کہ ہندستان پاکستان میں

www.taemeernews.com

اپنے ہاتھوں سے اسلام کو ذبح کرنے والے اب اسلام کے لئے اپنے کو ذبح کر رہے ہیں..... جنہیں کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تھا انہیں قبلہ رو کھڑے ہو کر نمازوں میں روتے دیکھا.... یہ کرشمۂ قدرت ہے اور نوشتۂ مشیت ہے

ہے عیاں شورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

شکاگو میں جو گھر دیکھا جس مجلس میں گئے اوقات کی پابندی کے ساتھ نماز کا اہتمام دیکھا، میرے عزیز اور میزبان شکاگو میں جن کے یہاں پہلا قدم رکھا، دس بجے شب میں پہونچا تھا..... برادرم ڈاکٹر خورشید ایرپورٹ سے اپنی کار میں گھر لے گئے اور گھر میں لاتے ہی پوچھا پہلے نماز ہوگی یا پہلے کھانا ہوگا؟ اس سوال سے کراچی سے شکاگو تک کے سفر کی بے پناہ تھکن آدھی سے زیادہ رفع ہوگئی، اور جب ان کے کمسن بچے نے اذان کہی اور گھر کے مرد اور بچوں نے باجماعت نماز ادا کی تو بقیہ تھکن بھی ختم ہوگئی۔

ان کے مکان میں ایک خصوصی مشاعرہ ہوا جس میں پچاس مہمانان خصوصی تھے، ڈاکٹر، پروفیسر، انجینیر فرم کے منیجر، تاجر طالب العلم لیکن مشاعرہ سے پہلے آذان ہوئی تو "قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز" اور ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز اور اس کے بعد انگریزی کے ملک میں، انگریزی کی سرزمین پر انگریزی مکان میں انگریزی ساز و سامان کے درمیان انگریزی وضع قطع اور انگریزی لباس و پوشاک میں جب اردو زبان و ادب کی شستہ اور شائستہ پھلجھڑیاں چھوٹنے لگیں تو یہ

www.taemeernews.com

فیصلہ کرنا محال ہوگیا کہ میں شکاگو میں ہوں یا دبستان لکھنؤ اور دبستان عظیم آباد کی کسی انجمن میں۔

شکاگو کی اسلام پسند اور اسلام پرست دنیا میں برادرم ڈاکٹر خورشید ملک ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں اور ٹورنٹو کے اسلامی اور ادبی ماحول یا میکدے میں برادرم افضل امام گویا پیر مغاں ہیں گرچہ ان کی سیاہ داڑھی اور نوجوان چہرہ دیکھ کر پیر مغاں کہتے ہوئے پس و پیش ہوتا ہے مگر کیا کیجئے "یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے" اور جب حافظ اشتیاق صاحب کو دیکھا تو ان کے بھولے بھالے معصوم چہرے کے پردے میں بزرگی، نقاہت اور تقوی کو یوں گھونگھٹ کاڑھے ہوئے دیکھا جیسے نئی نویلی دلہن پہلی مرتبہ سسرال آکر شرماتی لجاتی ہے، ٹورنٹو میں افضل امام صاحب، حافظ اشتیاق صاحب، سید صاحب دسنوی، سہیل صاحب وغیرہ دین اور ادب کے ہراول دستے ہیں اور ان کے ساتھ ہم خیالوں ہم مشربوں، ہم مزاجوں اور ہمدردوں کا ایک موثر اور مستعد طبقہ ہے جس سے مستقبل قریب میں اس پرشور زمین پر دین اور اردو زبان و ادب کی سرسبز کھیتی کے لہلہا اٹھنے کی بڑی خوشگوار توقع ہے بس ذرا نم کرنے کی ضرورت ہے۔

میرے آنے کا مقصد اور منشاء اسی "نمی" کا رواج ذرا تیز اور استوار کر دینا ہے کیونکہ

عطار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی

اس وقت ساری انسانیت کو بالعموم اور اہل اسلام کو بالخصوص کسی اور

www.taemeernews.com

سامان اور لوازم کی ضرورت نہیں ہے، یہ بہت کچھ مل چکا ہے اور آئندہ ان میں اضافے کا راستہ بہت کشادہ ہو چکا ہے، بس ان گول گول آبدار موتیوں کو ذرا بازار میں لے آنے کی ضرورت ہے، جو سینوں کے گنجینوں میں بیکار اور بے مصرف پڑے ہوئے ہیں، اور ان بے بہا خزانوں کے وجود سے اہل خزانہ بے خبر ہیں، آواز لگ رہی ہے اور ان دفینوں کے بازیافت کی کوشش ہو رہی ہے، جس دن ان کا منہ کھل گیا، رنگ و نور کی بارش سے دنیا چمک اٹھے گی، مہک اٹھے گی، لہک اٹھے گی۔

اندھیرے جائینگے روشن دن آنے والے ہیں
خبر ملی ہے کہ وہ مسکرانے والے ہیں

—— ❖ ——

www.taemeernews.com

نیویارک میں شام کے وقت اتر کر شب ایک ہوٹل میں گذار کر صبح ۸ بجے وہاں سے روانہ ہو کر تقریباً چار سو میل کی مسافت طے کر کے سب سے پہلا شہر جہاں ہمیں چند دن گزارنے تھے وہ ہرشین برگ ہے۔ صوبہ ورجینیا کا یہ حسین، سبک اور دلکشا شہر تقریباً دو سو میل رقبہ کی وادی کے درمیان آباد ہے جس کی طرف کئی سڑکیں نشیب میں اترتی ہوئی اور فراز پر چڑھتی ہوئی جاتی ہیں اور جانے کے لئے سڑکوں کو کتنی سبزپوش اور گلپوش پہاڑیوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ حدنگاہ تک سمندر کی موجوں کی طرح اٹھتے اور گرتے ہوئے ہرے بھرے میدان جن میں سیب کے باغات اس کثرت سے ہیں جتنے ہمارے یہاں کھجوروں کے جنگلات ہوتے ہیں۔ ان باغات

www.taemeernews.com

کے علاوہ اور جو زمین ہے خواہ وہ مکانوں سے وابستہ ہیں، کارخانوں اور آبادیوں سے ملحق ہیں یا کھیتیاں ہیں۔ وہاں کے کھیت ہمارے یہاں کے چھوٹے چھوٹے چوکھٹے نہیں ہوتے، سَو سَو دو دو سَو ایکڑ کے ایک ایک پلاٹ ہوتے ہیں، اور یہ پلاٹ ہموار نہیں ہوتے اِن میں سمندری موجوں کا سا اتار چڑھاؤ ہوتا ہے، ان اراضیوں کو ٹریکٹروں سے جوت کر اناج کے بیج ڈال دیئے جاتے ہیں، کہیں میں نے کوئی نظم سیرابی اور آبپاشی کا نہیں دیکھا مجھے حیرت ہوئی، معلوم ہوا کہ جوتنے اور بو دینے کے بعد کاشتکار کا کام ختم ہو گیا۔ اناج کھیتوں میں سڑتے رہتے ہیں، پھر موسم بدلتا ہے، برف باری ہوتی ہے اور تمام وادی سفید برف سے ڈھک جاتی ہے، مہینوں کے بعد برف پگھلتی ہے اور پانی ہو کر کھیتوں میں جذب ہو جاتی ہے اور زمینوں کے اندر سے لہلہاتے ہوئے پودے رونما ہوتے ہیں، نشو و نما پاتے ہیں، پھل پھول لاتے ہیں، پکتے ہیں، سوکھتے ہیں اس کے بعد کاشتکار آتے ہیں مشینوں سے انہیں کاٹ لیتے ہیں اور اناج سے گھروں کو کھلیانوں کو بھر دیتے ہیں، جتنا کھا سکتے ہیں رکھ لیتے ہیں، بقیہ سرکاری محکموں کے ذریعہ ملک سے باہر بھیج دیتے ہیں، اور جو بچتے ہیں اندرون ملک تقسیم کر دیتے ہیں بانٹ دیتے ہیں اس کے بعد بھی بچ جاتے ہیں تو سمندروں میں بہا دیتے ہیں یا زمین کھود کر دفن کر کے آگ لگا دیتے ہیں کبیر داس کا مجھے دوہا یاد آتا ہے۔

ایشور چھپر پھاڑ کے دیہیں　　بھگت کبیر کا گگرا لیہیں

تو امریکہ والوں کو اللہ نے چھپر پھاڑ کر دینے کا ارادہ کیا ہے اور دے رہے ہیں،

www.taemeernews.com

کیوں دے رہے ہیں اور کب تک دیتے رہیں گے، یہ تاریخ دیکھ کر اور قوموں کا حال پڑھکر سمجھا اور جانا جا سکتا ہے۔ پہلے خدا نعمت دیتے ہیں، اگر اس کا شکر ادا ہوا تو اسی احتیاج کے اعتبار سے اضافہ کرتے ہیں۔ ناشکری ہو جاتی ہے تو نعمتوں کو تیزی سے بڑھاتے ہیں، اہل نعمت اور مغرور لاپروا اور غافل ہو جاتے ہیں، پھر اللہ قوموں کو نعمتوں سے ڈھانکنا شروع کر دیتے ہیں پھر نعمتیں ہی کو ان کا مدفن بنا دیتے ہیں۔

اس وقت امریکہ میں نعمتوں کی فراوانی ہے۔ شاید ابھی ڈھلنے والا مرحلہ نہیں آیا ہے یا وہی آرہا ہو۔ بہرحال اس وقت نعمتوں کی ریل پیل ہے میں نے پہلا شہر باضابطہ طریقے سے یہ ہرسین برگ ہی دیکھا، اور دیکھا کہ سانس لیتے ہوئے، اوپر نیچے ہوتے ہوئے سینے کی طرح اس شہر کی حسین سڑکیں ہیں ڈھلوانوں پر گاڑیوں کے اترنے اور چڑھان پر گاڑیوں کے چڑھنے کا منظر تصویر لینے کے قابل ہوتا ہے۔ مکانات گنجان نہیں ہیں ہر مکان کے چاروں طرف کھلی ہوئی زمین ہے جس پر بالکل مخمل جیسا سبزے کا فرش، بے داغ، مسطح نرم اور حسین، ان کے درمیان کھلونے جیسے چھوٹے چھوٹے سبک اور نازک مکانات جن کا بیشتر حصہ قیمتی لکڑیوں کا ہوتا ہے، باہر کی دیواروں پر بڑی کاریگری سے سڈول اینٹوں کو خوبصورت پلستروں کے ذریعہ جڑ دیا جاتا ہے ایک مکان میں عموماً ایک ہی خاندان رہتا ہے، اور خاندانوں سے ہمارا تصور جس طرف جاتا ہے وہ خاندان نہیں، بلکہ خاندان عموماً مشتمل ہوتا ہے میاں بیوی اور دو تین بچوں پر۔ اسی میں کچھ کمی بیشی ہوتی ہے۔ گھروں میں نہ ملازم ہوتے ہیں نہ دائی ماما۔ ہر کام صاحبانہ

www.taemeernews.com

خود کرتے ہیں، گھروں کی معمولی مرمت اور قلعی رنگائی بھی خود ہی کرنا ہوتا ہے۔
اندر چھوٹے بڑے ہر قسم کے مکانات میں تمام ضرورتوں کیلئے خودکار برقی
مشینیں ہوتی ہیں۔ مثلاً جھاڑو دینے کی مشین مکان کے اندر دروازے سے
اندر قدم رکھتے ہی بہت دبیز قسم کا قالین نما فرش ملے گا جس نے اندر کے
ایک ایک انچ زمین کو ڈھک رکھا ہوگا۔ حتیٰ کہ بیت الخلا میں بھی جو کموڈ ہوتا ہے
اس کا بھی چپہ چپہ قالین سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ کموڈ کا اوپری ڈھکن بھی اسی
قالین سے چھپا ہوا ہے۔ جھاڑو دینے کی مشین پورے گھر میں دوڑا دی جاتی
ہے اور سارے گھر کی گرد تنکے اور دوسری چھوٹی چیزیں مشین کے اندر خانے میں جمع
ہو جاتی ہیں انہیں ایک ٹب یا پلاسٹک کے بڑے جھولے میں جمع کیا جاتا ہے،
ایک ہفتہ میں گھر کا سارا اٹکن پٹکن اگرم بگرم اسی ٹب یا پلاسٹک کے دو چار
جھولے میں جمع کر کے منہ بند کر کے مکان کے باہر دروازے پر رکھ دیا جاتا ہے۔
ہفتہ میں ایک دن بڑی گاڑی آتی ہے وہ دروازوں سے یہ پورے چن چن کر
ایک خاص قسم کے ٹرک میں ڈال دیتی ہے، جس پر ایک دباؤ والی مشین فٹ
ہوتی ہے وہ تمام جھولوں کو دبا کر پتر سا بنا دیتی ہے اور شہر کے بہت باہر دور
کہیں جا کر پھینک آتی ہے وہاں پھر اس کا کوئی دوسرا مصرف ہوتا ہوگا۔

کھانا پکانے کا چولھا تو خیر سب جانتے ہی ہیں، برتن دھونے کی
مشین، ترکاریاں چھیلنے کی مشین، بھونا بھوننے کی مشین، کپڑا دھونے کی مشین،
کپڑا خشک کرنے کی مشین ان تمام مشینوں کے باوجود میاں اور بیوی تقریباً
دونوں ہی گھریلو کاموں میں یکساں حصہ لیتے ہیں۔ باہر مکان کے ہر دروازے
پر ایک یا دو کاریں ہوتی ہیں، ایک گیراج میں ایک گیراج کے باہر شہر کے

www.taemeernews.com

ہر محلے، ہر علاقے میں الگ الگ بازار ہیں، یہ بازار ہمارے یہاں کی دوکانوں کی طرح نہیں ہوتے۔ کئی فرلانگ کے حلقے میں پھیلا ہوا عموماً ایک ہی ڈپارٹمنٹ اسٹور ہوتا ہے جس میں پن سے موٹر کار تک زندگی کی ہر قسم کی ضرورتوں کا سامان افراط سے بھرا رہتا ہے۔ مجھے ڈھائی ماہ کے عرصہ میں کسی شخص سے یہ سننے کا اتفاق نہیں ہوا کہ آج فلاں چیز نہیں ملی یا جتنی چاہئے تھی نہیں ملی۔ معمولی سے اعلیٰ قسم کی ہر طرح کی کھانے پینے کی چیزیں، ہر طرح کی پہننے کی چیزیں، اوڑھنے کی چیزیں، گھڑیاں زیورات دوائیں گاڑیاں تحفے، سگریٹ شراب جتنی مقدار میں جو شخص لینا چاہے ہر وقت صبح سے لیکر صبح تک رات کے بارہ بجے دو بجے تین بجے جس وقت ضرورت ہو چوبیس ۲۴ گھنٹے ملتی رہتی ہیں۔

تمام شہر تمام بازار تمام دکانیں، تمام کارخانے تمام دفاتر تمام بینک تمام گاڑیاں ایرکنڈیشنڈ۔ اس لئے سڑکوں پر انسان بہت کم نظر آتے ہیں۔ اسٹیشن ہوٹل، سرائے، ریسٹورانٹ موسم کے اثرات سے سب محفوظ۔ بینک میں دیکھا کہ ہر بینک کے کاؤنٹر کی کھڑکیاں سڑکوں سے متصل کھلی ہوتی ہیں۔ ان کھڑکیوں سے متصل کاؤنٹر پر ایک آدمی ہے۔ ناکہ دونوں فٹ ہیں، کار کھڑکی کے سامنے آکر رکی، چک ڈرافٹ جو بھی ہے کھڑکی سے باہر آتے ہوئے دراز میں ڈالدیا وہ دراز پھر اندر چلا گیا، اگر کلرک کو کچھ پوچھنا ہوا تو مائکروفون کے ذریعہ پوچھ لیا۔ پوچھنا نہیں بھی ہوا اخلاقی طور پر صاحب سلامت ہو ہی جاتی ہے اور دو منٹ کے اندر روپیہ پاس بک سب مل گیا پہلی گاڑی آگے بڑھ گئی اسکی جگہ پر دوسری گاڑی آگئی۔ گاڑی سے اترنا نہیں بینک کے اندر جانا نہیں سارا کام آنکھ جھپکتے راستے ہی راستے میں ہو جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

جن کے پاس کار نہیں ہے گرچہ ایسا بہت کم ہے یا کار سے زیادہ ضرورت ہوگئی۔ یا کار کہیں گئی ہوئی ہے اور ضرورت آگئی۔ ہر گھر میں ٹیلیفون ہے اور ٹیکسی ایجنٹوں کے نمبر ہر گھر میں ہیں۔ ایجنٹ کو ٹیلیفون کر دیا۔ اپنا پتہ دے دیا۔ اس نے فون ہی پر جواب دے دیا کہ فلاں نمبر کی ٹیکسی آپ کے گھر پہنچ رہی ہے۔ چند منٹوں میں ٹیکسی آگئی، عموماً وہاں نقد کوئی سودا نہیں کرتا۔ ہر شہری چاہے وہ امریکن ہو یا غیر امریکن۔ جسے وہاں کی قومیت مل گئی ہے یا اقامہ مل گیا ہے، اس کے پاس ایک کارڈ ہے جو اس کی حیثیت اس کی ملازمت کی نشان دہی کرتا ہے۔ اسی پر اس کا اکاؤنٹ نمبر بھی ہے اس کارڈ پر امریکہ کے اندر جس شہر میں جس وقت جتنی مقدار یا تعداد میں جو چیز خریدنی ہو فوراً مل جائے گی۔ اگر بینک کی جمع شدہ رقم سے زیادہ بھی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں بینک آئندہ کی آمد پر ادائیگی کر دیگا۔

میں ہرسین برگ یونیورسٹی بھی گیا، ہرسین برگ آبادی کے اعتبار سے بہت چھوٹا شہر ہے مگر رقبہ پھر بھی بہت بڑا ہے اس چھوٹے شہر کی یونیورسٹی بھی اتنے رقبے میں ہے کہ شاید علی گڈھ یونیورسٹی بھی اتنے رقبے میں نہ ہو۔ اور جتنا بڑا رقبہ ہے اس رقبے کے اندر کی دنیا، سامان، وسعت، عمارت، حسن اور دلکشی کے اعتبار سے آنکھوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے عمارتوں کی ساخت اور ان کا ڈھانچہ ان کے اندر اور باہر کا سامان، سجاوٹ اور آرائش، عمارتوں کے باہر لان اور میدان کی نزاکت اور لطافت، مثال کے طور پر صرف فٹ بال کے کھیل کا میدان لیجئے، تو کھیل کا جو دراصل میدان ہے وہ تو اپنے حسن دلکشی اور سجاوٹ کے اعتبار سے یکتائے روزگار ہے ہی اس کے ہر چہار

www.taemeernews.com

طرف ایسی روشنیاں اور لمبے لمبے حسین سڈول کھمبوں میں ایسے ایسے فلڈلائٹ ہیں جو راتوں کو پورے حلقے میں دن کر دیتے ہیں، پھر اس میدان کے متصل تیرنے کے تالاب، ورزش کے حلقے. تماش بینوں کی گیلریاں. تفریح کے میدان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کے لئے کنج اور جھاڑیاں ..... ایک معمولی سا اسٹوڈنٹس یونین کا جو مقام دیکھا. اس عمارت کے اندر کی وسعت، صفائی، خوبصورتی سجاوٹ اور سامانِ ضرورت کی فراوانی اور فرنیچر وغیرہ ایسے ہیں جو شاید ہندستان کی اعلیٰ عمارتوں میں بھی نہیں ہوں گے

وہ عمارت جہاں پڑھائی ہوتی ہے ان کلاسوں کے حصے ظاہری محاسن کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں جیسے اوپر بیان کئے گئے صاف شفاف آئینہ کی طرح چمکتا ہوا فرش، تازہ بتازہ کرسیاں اور ٹیبل، کمرہ تعلیمی ضرورتوں کی تمام اشیاء سے بھرپور. پڑھنے پڑھانے والے خاموشی سے اپنی تعلیم میں منہمک، کہیں کوئی آواز نہیں کمروں کے باہر گذرنے والے سرگوشیوں میں گفتگو کرتے ہوئے گذرتے ہیں، ہر جگہ عمارت کی گذرگاہوں میں، خوبصورت ٹیبل ان پر کتابیں. اخبار پرچے، اور ان سے متصل بیٹھنے کیلئے صوفے کرسیاں. پانی کا بین پلاسٹک کے گلاس، ہر جگہ سیڑھیاں اور سیڑھیوں سے متصل لفٹ بھی، لفٹ اٹومیٹک. خالی ہو لفٹ سے جائیں چاہے سیڑھیوں سے اتریں چڑھیں.

ہر شعبہ میں درجنوں استاد ہیں۔ اور ہر شعبہ آزاد ہے، اپنی تعلیمی پالیسی میں، نصاب کے تعین اور انتخاب میں، طریقۂ تعلیم میں، اوقاتِ تعلیم میں اور طریقۂ امتحان میں، ہر استاد اپنا موضوع کیسے پڑھائے گا کتنا پڑھائے گا کب پڑھائے گا، اور کیسے امتحان لے گا یہ خود طے کرتا ہے، ڈگری خود

www.taemeernews.com

استاد دیگا، طالب العلم کے ذہن اور استعداد کے مدارج اور میرٹ بھی استاد ہی طے کرتا ہے، اس لئے وہاں استاد اور طالب العلم میں بڑی گہری وابستگی اور قربت ہے اور تقریباً ہر استاد اپنے طالب العلم کا نام اس کی استعداد اور اس کی محنت، شوق اور ریاض کی حیثیت اور صلاحیت جانتا ہے۔

میرے امریکہ جانے سے دو ہی ماہ پہلے میری بھانجی کا بچہ پاکستان سے ہرلسین برگ گیا تھا اور اس کا داخلہ اسکول کے ایک کلاس میں ہوا تھا میں پہونچا تو ایک دن گارجین کا اجتماع وہاں تھا۔ اس لڑکے کے ہر استاد نے اُسکے متعلق تفصیل سے بات کی۔ اس کا نام، اس کے سبق یاد کرنے کا طریقہ، اس کے انگریزی سمجھنے کی صلاحیت، سب کے متعلق ہر استاد نے بہت تفصیل سے بہت صحیح اطلاعات دیں، جو شاید اس کے والدین کو بھی معلوم نہیں۔

یہ مختصر تفصیل اس چھوٹے شہر کی ہے جہاں سب سے پہلے میرا قیام چند روز رہا۔ ہرلسین برگ میں صرف تین مسلمان خاندان ہیں، ایک میرے بھانجی داماد کا خاندان جن کا نام قاضی مظہر الحق ہے۔ یہ شہر کے مرکزی سرکاری کارخانے میں ذمہ دار افیسر ہیں، کارخانہ ان کے گھر سے سولہ میل کے فاصلے پر ہے۔ صبح آفتاب نکلنے سے پہلے روانہ ہو جاتے ہیں اور آفتاب غروب ہونے سے کچھ پہلے واپس آتے ہیں، وہاں تقریباً ۱۴ سال سے مقیم ہیں تعلیمات کا آخری زمانہ وہیں گذارا اور وہیں ملازم ہو گئے یہ پہلے ویٹرنری ڈاکٹر تھے، وہ کارخانہ جہاں یہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیں اسی شعبے سے متعلق ہے۔

دوسرا خاندان ایک حیدرآبادی مسلمان پروفیسر صاحب کا ہے جو یونیورسٹی کے کامرس شعبہ میں استاد ہیں۔ ایک اچھے مکان میں اپنی

www.taemeernews.com

حیدر آبادی بیوی اور دو بچے بچیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ حیدر آبادی فصیح اردو بولتے ہیں، ان کی بیوی خالص مشرقی کپڑوں میں رہتی ہیں۔ بڑی بچی جو میڈیکل کی طالب العلم ہے نیم مشرقی نیم مغربی لباس میں رہتی ہے۔

تیسرا خاندان ایک فلسطینی عرب کا ہے۔ یہ انجنیر ہیں اور ایک امریکی شریک کے ساتھ انجنیرنگ کا کارخانہ کھول رکھا ہے، ان کی بیوی ہیں اور دو تین بچے، یہ پورا خاندان تقریباً مغربی طرز و انداز رہائش رکھتا ہے، مگر دل سے مسلمان ہے اور کسی حد تک نماز وغیرہ کا اہتمام بھی ہے بڑی شدت سے فلسطینی تحریک کا حامی، یاسر عرفات کا مداح اور یہودیت کا دشمن ہے۔

یہ تینوں خاندان میلوں کی مسافت پر ایک دوسرے سے دور ہیں، حیدر آبادی تین چار میل دور رہتے ہیں اور فلسطینی تقریباً پندرہ میل دور میں نے تینوں سے ملاقات کی اور کئی بار کی، اور دھیمے لہجے میں ایک دوسرے سے قریب ہونے اور رابطے کے اوقات بڑھانے اور متحد ہونے کی ترغیب دی، سنا کہ پھر ان لوگوں نے ہر ہفتہ اجتماعی ملاقات اور اس ملاقات میں دینی تعلیم اور تدریس اور بچوں کی دینی تربیت کا نظام بنایا ہے۔

اپنے عزیز قاضی مظہر الحق کا بیان کردہ ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو امریکی تمدن اور مغربی تہذیب کا ایک مثالی عبرتناک واقعہ ہے اور اس کوڑھ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس قوم کی روحانی زندگی کو اندر اندر کھا رہا ہے اور ایک دن مفلوج کر کے موت کے گھاٹ اتار دے گا یا پھر اللہ کرم فرما کر کسی بہانے سے ہدایت دیکر اس قوم کو غارت ہونے سے بچالیں گے۔

جب یہ ویٹرنری ڈاکٹر تھے تو ایک شہر میں پریکٹس کر رہے تھے اور

www.taemeernews.com

سرکاری ملازم بھی تھے۔ وہاں ایک کروڑپتی بیوہ عورت تھی جس کے پاس ایک کتیا تھی، اس بوڑھیا کا کوئی رشتہ دار زندہ نہیں تھا، شوہر بھی مرچکا تھا بانجھ تھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ یہ کتیا اس کی سب کچھ تھی۔ اس کتیا کے لئے سونے کا کمرہ، ٹیلیویژن دیکھنے کا کمرہ، ایک سے ایک چھپرکھٹ اور چھپرکھٹ کا سامان گدے تکیے، کمبل چادریں، صوفے، کوٹ ٹوپیاں گلوبند، اور اس کی غذا کا کیا کہنا، اس کتیا کا یہ کبھی کبھی علاج کرتے تھے، اتفاق سے اس شہر سے ان کا تبادلہ ہوگیا، کچھ دنوں بعد اس بوڑھیا کا شب میں ٹیلیفون آیا، جو تقریباً ۴۰ میل دور تھی ٹیلیفون پر حکم یہ تھا کہ فوراً آجاؤ کتیا بیمار ہوگئی ہے، انہوں نے عذر کیا کہ اتنی رات میں کار پر سفر نہیں ہوسکے گا صبح آؤں گا. اس نے کہا ہوائی جہاز سے آجاؤ، انہوں نے کہا اس وقت کوئی فلائٹ نہیں ہے اس نے کہا پلین چارٹر کرلو۔ میں بھی ایرپورٹ کو ٹیلیفون کرتی ہوں، چنانچہ کئی ہزار ڈالر میں ایک پلین چارٹر ہوا بارہ بجے شب میں چل کر ایک ڈیڑھ بجے اس مقام پر پہونچے۔ اس عورت نے ایک قیمتی ہوٹل میں ایک پورا فلیٹ کئی کمروں کا ان کے لئے ریزرو کردیا تھا، اسی وقت کتیا کو دوا دی گئی، اور تا صحت وہاں رہنے کی درخواست کی گئی شاید دو روز رہے وہ کتیا اچھی ہوگئی، پھر ہوائی جہاز سے بہت تحفے تحائف کے علاوہ ڈیڑھ ہزار ڈالر نذرانہ لیکر واپس ہوئے کئی ماہ بعد پھر اس کا ٹیلیفون آیا کہ کتیا سخت بیمار ہے آجاؤ۔ مگر شاید ان کی طبیعت بھی ناساز تھی، یا کراہیت معلوم ہوئی۔ انہوں نے عذر کیا اس نے پھر اصرار کیا انہوں نے پھر عذر کیا اور ایک مقامی ڈاکٹر کا نام بتایا اور خود بھی اسے فون کیا کہ جاکر دیکھ لو۔

www.taemeernews.com

دو ہی روز بعد اس بوڑھیا کا پھر ٹیلیفون آیا، غم کا غصہ کا آنسوؤں کا ڈانٹ کا الزام کا کہ تم نہیں آئے میری کتیا مر گئی اور ٹیلیفون پر ہی دیر تک ہچکیاں لیتی رہی میں نے یہ قصہ سن کر کہا کہ میاں تم تو گدھے تھے، تم ہی جا کر اس کے ساتھ رہ جاتے وہ کتیا کیوں پالتی گدھا پال لیتی۔ وہ بڑھیا کچھ دنوں بعد مر ہی جاتی ساری میراث گدھے ہی کی پیٹھ پر آتی۔

اپنے فرمانبرداروں میں بھی کسی کسی کو کبھی کبھی اللہ بانجھ بنا دیتے ہیں یہ اس کے لئے عبرت کے ساتھ استغفار کا سبب اور معرفت کا ذریعہ ہو جاتا ہے لیکن نافرمانوں کو توفیق استغفار نہیں دیتے اور اسے سارے عالم کی نگاہوں میں تماشہ بنا کر قوموں کے لئے عبرت و نصیحت کی مثال بنا دیتے ہیں اس وقت امریکہ کی قوم کا یہی حال ہے، وہ بظاہر بڑی صاف ستھری اور قابل رشک زندگی گذارتی ہے، ایسی زندگی جس میں تمول اور فراوانی کا ہر قدم پر اظہار ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مال حاصل کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں وہ تو خدا واقعی چھپر پھاڑ کر دے رہے ہیں، لیکن وہی مال، جیسا کہ خدا کا قانون ہے، ان کی روحانی زندگی کی عبرتناک تخریب اور بربادی کا سبب ہے اور خدا نے ان کی بصیرت اور بصارت پر پردہ ڈال رکھا ہے اور وہ حالات اور اپنے مال کی پیدا کی ہوئی روحانی تخریبی زنجیر میں یوں جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ قید سے باہر نہیں آسکتے۔ گھریلو زندگی کا وہ لطف جو ایک فاقہ کش کو بھی خدا نے دے رکھا ہے اس سے وہ محروم ہیں، یا شاید وہ اس کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوتے وہ نہیں جانتے کہ بیوی کی محبت اور وفاداری کس چڑیا کا نام ہے، کہ عورتیں ستی ہو جایا کرتی تھیں، اور شب کو بچہ مر جائے تو

www.taemeernews.com

شوہر کو رات کے وقت خبر نہیں کرتی تھیں کہ شوہر کی نیند خراب ہو جائے گی، بیوی نہیں جانتی کہ شوہر کا التفات کیا ہوتا ہے، وہ گویا ایک سودا کرتے ہیں اور باہم زندگی گذارنے کی شرائط طے کرتے ہیں اس سے زیادہ نہ کوئی مطالبہ کر سکتا ہے نہ توقع رکھ سکتا ہے، اور توقع اور مطالبے کے پیدا ہونے کا امکان بھی نہیں، مال کمانے کا چکر ان کے جذبات کو مردہ اور احساسات کو مریض بنا دیتا ہے، اولاد کی محبت سے وہ محروم ہیں، جو اولاد ماں کی چھاتی کے دودھ سے نہ پلی ایسی اولاد سے والدین کا کیا رشتہ ہو سکتا ہے اسی لئے اولاد جب جوان ہوتی ہے اور والدین جب بوڑھے ہوتے ہیں تو ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے، والدین، بوڑھی ماں بوڑھا باپ یتیم خانوں کی طرح بنے ہوئے والدین خانوں میں رہتے ہیں۔ یا تو اپنی پنشن ان کی کفالت کرتی ہے یا اولاد کی طرف سے کوئی معینہ رقم۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے ملازم ہیں تیمارداری کے لئے نرسیں ہیں، باورچی ہیں، لیکن وہ اولاد سے جو صلب سے نکلی بطن سے پیدا ہوئی۔ وہ اپنے خون کا پیکر ہزاروں میل دور کہیں ہے، سال دو سال میں کبھی ملاقات ہو گئی، نہ والدین کو اس کی فکر ہے نہ اولاد کو اس کی حس، جو اولاد صلب پدر سے اور بطن مادر سے نکلتی ہے، پیدا ہونے کے ایک ہی گھنٹے کے بعد دوسرے کی نگرانی میں چلی جاتی ہے، نرسیں دیکھ بھال کرتی ہیں، سال دو سال کے بعد نرسری کی ملکیت ہو جاتی ہے اس سے بڑھی اور سیانی ہوئی تو، اسکول اور کالج یونیورسٹی کی مخلوق بن جاتی ہے، وہ کالج اور وہ یونیورسٹی اور وہ اسکول جس کے حسن، جس کی صفائی، جس کی شانداری کی باتیں میں نے اوپر لکھیں اس میں رہنے والی

www.taemeernews.com

مخلوق، جھانگیا پہنے تقریباً برہنہ یا نیم برہنہ سڑکوں پر دوڑتی ہے، گھاس پر لوٹتی ہے، سیڑھیوں پر دیوانوں کی طرح بیٹھی ہوئی بال بکھرے ہوئے، جامہ تار تار، سگریٹ پیتی رہتی ہے چرس اڑاتی رہتی ہے، بھانگ کھاتی رہتی ہے کوکین کا انجکشن لیتی رہتی ہے، زنا کرتی رہتی ہے اور کمسنی میں حاملہ ہو جایا کرتی ہے، والدین کو معلوم ہوتا ہے تو اس پر فخر کرتے ہیں، اور تفاخر سے اس کا اعلان کرتے ہیں، اخباروں کے نصف حصے، لوٹ غارت گری قتل اغوا انفرادی اور اجتماعی عصمت دری کے بیشمار واقعات سے بھرے رہتے ہیں، اس ماحول میں بچے پل کر احساسات کی نزاکت سے محروم ہو جاتے ہیں، وہ لوٹ ضرورت کے لئے نہیں کرتے یہ ان کی ہابی ہے، اغوا اور عصمت دری، جذبات شہوانیہ کی تسلی کے لئے نہیں کرتے یہ ان کا کھیل ہے قتل غارت گری، دشمنی اور عداوت سے نہیں کرتے یہ ان کا شوق ہے، راستے میں دو نوجوان جوڑے ہنستے بولتے جا رہے ہیں، چند نوجوان انہیں شوٹ کر کے یا چھرا مار کر قتل کر دینے کے بعد اسی طرح خوش ہوں گے جس طرح کوئی بذلہ سنج کسی پر جملہ کس کر محظوظ ہوتا ہے اخبارات میں جو زنانہ کالم ہوا کرتا ہے اس میں لڑکیوں اور عورتوں کے خطوط ہی صرف رہتے ہیں اور ان کا موضوع تقریباً ایک ہی ہوتا ہے عشق اور آوارہ گردی کی دلچسپ داستانیں، کوئی لڑکی مشورہ لیتی ہے کہ میرا دوست صرف ہفتہ کی چھٹی کے دنوں میں آتا ہے دو راتیں میرے ساتھ بسر کرتا ہے میں اسے اور دنوں میں بھی آنے کے لئے کہتی ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میں دو دنوں سے زیادہ تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا میرے ساتھ رہنا ہے تو رہو ورنہ راستہ پکڑو، بتائیے میں کیا کروں؟،

www.taemeernews.com

لکھنے والی کا نام ہوتا ہے پورا پتہ ہوتا ہے۔

امریکہ کے کسی شہر کے کسی حصے میں کوئی ہمسایہ پن یا کسی نوع کا کوئی اجتماعی احساس نہ ملا۔ اغل بغل گھروں میں برسہا برس گذر جاتے ہیں عمریں بسر ہو جاتی ہیں لیکن کسی کو فرصت ہی نہیں ملتی کہ ہمسائیگی کا کوئی حق ادا ہو۔ شناسائی ہی نہیں تعارف ہی نہیں تعلق ہی نہیں، دوستی کیسی یکجہتی کیسی اس میں شک نہیں کہ تعلق اور دوستی کا وہ معیار اور وہ سطح کہاں جو کہانیوں میں سنتے ہیں چالیس پچاس سال کی عملی زندگی میں دیکھا بھی .... میرے نانا مجھے مکتب میں پڑھاتے تھے تو کبھی ڈانٹتے تھے کہ دوستی بہت کرتے ہو دکھاؤ تو کوئی دوست ایسا جیسا ہمارا دوست ہے یا ہمارا دوست تھا۔ اور قصہ سنایا کہ "ایک شب کچھ رات گئے میرا جی گھبرایا تو خلاف معمول اپنے دوست کے گھر چلا گیا.... آواز دی ارے بھئی فلاں صاحب ہیں؟ اندر سے آواز آئی کون صاحب ہیں؟ میں نے کہا میں ہوں ضمیر..... اندر سے کچھ کھڑ بڑ اور بڑبڑانے کی آواز آئی۔ اور چند منٹ بعد دروازہ کھلا، اور میرے دوست اس ہیئت کذائی سے باہر آئے کہ ایک ہاتھ میں کھانے کی پلیٹ، دوسرے ہاتھ میں ایک تھیلی اور بغل میں تلوار..... بوے ضمیر بھائی اس وقت کیسے چلے آئے؟..... خیریت تو ہے ..... لو پہلے کھانا کھاؤ..... پھر روپے کی ضرورت ہے تو یہ تھیلی حاضر ہے جتنی ضرورت ہو نکال لو... .... کوئی دشمن ہے تو..... ابھی چلتا ہوں، تلوار لیکر نکلا ہوں"

امریکہ میں جنسیات پر کوئی پابندی نہیں، منشیات پر کوئی پابندی نہیں قماریات پر کوئی پابندی نہیں، حکومت اور قانون کا کوئی دخل انسان

www.taemeernews.com

کی اخلاقی زندگی میں نہیں ہے، کسی شخص کی انفرادی آزادی پر کوئی گرفت نہیں بشرطیکہ اس سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے ..... حکومت کے عمومی قوانین پر عمل در آمد بڑی مہارت سے ہونے کے باوجود جرائم کی کثرت شدت اور وسعت عقل کو حیران کردیتی ہے۔ پولس کا محکمۂ انتظامیہ کا محکمہ بہت مستعد اور فعال ہے۔ پولس کا یہ حال ہے کہ امریکہ کے کسی حصے میں کسی نوعیت کا جرم ہو تو پولس کو اس مقام پر پہونچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگتے۔ ہر وقت ہر مقام پر گشتی پولس تیز رفتار کاروں اور ویگنوں پر تمام ساماں سے آراستہ کھڑی رہتی ہے یا گشت کرتی رہتی ہے اور کسی بھی جائے وقوع پر پہونچنے میں جلد سے جلد تین چار منٹ لگتے ہیں۔ تمام پولس کاریں ٹیلیفون اور وائرلس کے ذریعہ شہر کے ایک ایک مکان سے ربط رکھتی ہیں، اور ٹیلیفون ہر مکان میں ہے، ٹیلیفون کے ذریعہ قریب کے پولس ہڈکوارٹر کو ایک منٹ میں خبر ہوگئی اور دوسرے منٹ میں جائے وقوع سے قریب ترین پولس کار کو وائرلیس کے ذریعہ خبر ہوگئی۔ اور تیسرے منٹ میں پولس کی گاڑی موجود، اسی طرح فائر بریگیڈ کا حال ہے ...... میں نیویارک کے ایک دس منزلہ عمارت کے فلیٹ میں تھا، بیٹھے بیٹھے کچھ تیز قسم کی بو ناک میں آئی۔ ہم سب لوگ فلیٹ سے ایک منٹ کے اندر لفٹ کے ذریعہ باہر میدان میں آگئے اور آتے آتے فائر بریگیڈ کو ٹیلیفون کردیا گیا...... اور ہم لوگوں کے باہر میدان میں آتے آتے فائر بریگیڈ کا عملہ گاڑیوں پر آگیا اور تین چار منٹ کے اندر مکان کے اندر جاکر فلیٹ کا پتہ لگاکر کیواڑ توڑ کر آگ بجھاکر عملہ واپس آگیا..... دراصل آگ لگی نہیں تھی ہماری خادمہ نے بجلی کے اسٹو پر ہلکی آنچ کرکے مرغ بھننے کو چڑھادیا تھا، اور باہر [illegible]

www.taemeernews.com

جاتے ہوئے اسٹوو بند کرنا بھول گیا چنانچہ مرغ پک کر جلنے لگا اور دھواں اور بو پھیلنے لگی ـــــ یہ چونکہ اپارٹمنٹ تھا جس میں سنٹو سنٹو فلیٹ اغل بغل ہوا کرتے ہیں اس لئے دوسرے فلیٹ والوں کو خبر بھی ہو گئی، فائر بریگیڈ بھی آ گیا۔ ورنہ شہر کے تمام حصوں میں جو علاحدہ علاحدہ مکانات ہوتے ہیں ان میں تو حادثات ہو چکتے ہیں تب خبر ہوتی ہے۔

امریکہ کے شہر کا مرکزی حصہ وہ ہوتا ہے جس میں سرکاری دفاتر، بنک کے مرکزی دفاتر اور دوسرے ملکوں کے دفاتر ہوتے ہیں انہیں انگریزی میں ڈاؤن ٹاؤن کہتے ہیں۔ یہاں عمارتیں پچیس پچاس اور سنٹو سنٹو منزلہ ہوتی ہیں اور سڑکوں پر بھی ہماہمی ہوتی ہے، بڑے بڑے شوروم بھی ہوتے ہیں یہاں رہائش نہیں ہوتی، صبح سے شام تک دفاتر چلتے ہیں پھر بند ہو جاتے ہیں۔ قریب کے مضافات میں رہائشی اپارٹمنٹ بھی ہوتے ہیں جس میں دو دو تین تین کمروں کے فلیٹ ہوتے ہیں..... ورنہ عام طور سے رہائشی علاقے مرکزی علاقے سے دور ہوتے ہیں۔ اور ڈاؤن ٹاؤن سے ہر سمت بیس پچیس تیس میل تک پھیلے ہوتے ہیں اس طرح شہر کی آبادی ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پچاس ساٹھ میل تک پھیلی رہتی ہے۔ ان میں چھوٹے چھوٹے رہائشی مکانات ہوتے ہیں۔ مکانوں کے رنگ سفید زیادہ ہوتے ہیں، کچھ سیاہ اور سرخ بھی ان کا تفصیلی ذکر قبل آ چکا ہے۔

شہر کے اندر سڑکوں کی ٹرافک عام طور سے کاروں پر مشتمل ہوتی ہے چھوٹی بڑی کاریں ہزاروں کی تعداد میں ہر وقت سڑکوں پر نظر آتی ہیں، دفتری اوقات میں بڑی بھیڑ ہوتی ہے، اور گھر سے دفتر پہونچنے میں کبھی گھنٹوں لگ جاتے

www.taemeernews.com

ہیں، سب سے ارزاں سواری کار ہی ہے، چونکہ پٹرول سستا ہے، پہلے امریکہ میں پٹرول پچیس ۲۵ تیس ۳۰ پنس یعنی دو ڈھائی روپے گیلن ملا کرتا تھا۔ میں جس وقت پہونچا یعنی ایک سال قبل تو نرخ تقریباً ایک ڈالر فی گیلن تھا یعنی آٹھ روپے۔ اس لئے تقریباً ہر شخص کے پاس گاڑی اور ٹیلیفون ہے۔ گاڑیاں ہندستان سے سستی ہیں۔ اُس زمانے میں چالیس ہزار روپے یعنی ساڑھے چار ہزار ڈالر میں اچھی امریکن گاڑیاں مِل جاتی ہیں، چلی ہوئی سیکنڈ ہند گاڑیاں اچھی حالت میں پندرہ سولہ ہزار روپے یعنی اٹھارہ ۱۸ بیس ۲۰ سو ڈالر میں مل جاتی ہیں۔ میرے ایک دوست نے جو وہاں انجنیر ہیں اور تبلیغ کے سرگرم کارکن ہیں سترہ سو ڈالر میں میرے سامنے ایک اچھی بڑی سیکنڈ ہینڈ کار خریدی۔

بسیں عموماً شہر سے باہر چلتی ہیں۔ یہ بسیں ایرکنڈیشنڈ اور بہت آرام دہ اور تیز رفتار ہوتی ہیں راہ میں بہت کم ٹھہرتی ہیں۔ بسوں میں پانی کے نلکے اور باتھ روم بھی ہوتے ہیں۔ کرایہ کار سے کم ہوتا ہے، شہر کے اندر تین ریل گاڑیاں چلتی ہیں، یعنی تین درجوں اور سطحوں کی۔ ایک گاڑی تو وہ جو شہر سے چل کر دوسرے شہروں تک جاتی ہے، اس میں دور کے مسافر زیادہ ہوتے ہیں۔ اوسط درجے میں ہندستان کے فرسٹ کلاس کا کرایہ لگتا ہے، اسپیشل کلاسوں میں ہوائی جہاز کا کرایہ لگتا ہے، ان کے اندر کے سامان اور راحتوں کے اسباب کا کیا ذکر ہے: دوسری گاڑی سطح زمین کے اندر چلتی ہے۔ اور پورے شہر میں ان کا جال بچھا ہوتا ہے سطح زمین سے تقریباً پچیس فٹ نیچے ان کے لائن ہوتی ہے اور ہر ایک میل پر سطح زمین پر اسٹیشن ہوتے ہیں، خودکار مشینوں سے چوتھائی ڈالر یعنی پچیس سنٹ میں ٹکٹ لیکر کتنی دور بھی سفر کیا جاسکتا ہے

www.taemeernews.com

گاڑی پر بیٹھنے کی اجرت گویا پچیس سنٹ ہے، آپ جتنی دور بھی جانا چاہیں جا سکتے ہیں، یہ آٹومیٹک گاڑیاں یعنی خود کار ہیں، ان میں نہ کوئی ڈرائیور ہے نہ کنڈکٹر۔ ہر اسٹیشن میں ایک منٹ کے لئے کھڑی ہوتی ہے۔ اندر گدے دار خوبصورت اور آرام دہ سیٹیں ہیں۔

دوسری گاڑی سروں کے اوپر سے گذرتی ہے، یہ بھی اندرون شہری کی ٹرافک کے لئے ہے۔ تقریباً اتنی ہی اونچائی یعنی پچیس ۲۵ تیس ۳۰ فٹ اونچائی پر آہنی کھمبوں پر سارے شہر میں لائن بچھی ہوئی ہے، اس کے اسٹیشن اور پلیٹ فارم سب اوپر ہی ہیں اور ہر اسٹیشن پر سڑک سے سیڑھیاں اوپر جانے کو بنی ہوئی ہیں۔ ان کا بھی سارا نظام کار وہی ہے جو زمین دوز گاڑیوں کا ہے۔

قانونی بندشوں انتظامی مہارتوں اور انفرادی ترکیبوں کی اتنی اعلیٰ سطح ہونے کے باوجود امریکہ سب سے زیادہ جرائم کا ملک ہے مختلف نوعیت کے گھٹیا سے گھٹیا اور اونچے سے اونچے پیمانے کے اتنے جرائم امریکہ میں ہوتے ہیں کہ ساری دنیا کی مجموعی تعداد کے قریب پہونچتے ہیں پولس ہر طرح کی مدافعتی تیاری اور مقابلے کی استعداد اور سزا کے سامان کی بہتات کے باوجود مجرموں سے خائف رہتی ہے۔ ہر شہر میں مرکزی مقامات پر، تمدنی اور تہذیبی اعتبار سے نہایت آراستہ جگہوں پر بھی ایسے ایسے بڑے بڑے علاقے ہیں جو مجرمین کے علاقے کہے جاتے ہیں ان میں پولس بھی نہیں چلتی۔ عام طور سے ان علاقوں میں آزادی سے کوئی گذر نہیں سکتا، پٹ جائے گا، لٹ جائے گا قتل کر دیا جائے گا بعض علاقے میں نے ایسے دیکھے کہ رات تو

www.taemeernews.com

رات دن کو بھی ان مقامات سے پولس گذرتے ہوئے ڈرتی ہے بلکہ نہیں گذرتی تا آنکہ کوئی ایسا ہی مستحکم نظم نہ بنا لیا جائے۔ ایسی ہی ایک علاقہ میں نے ڈیورائٹ میں دیکھا، بہت ترقی یافتہ علاقہ بظاہر بہت مہذب اور بہت پھرچھا اور حسین علاقہ، مگر زندگی اور باطن کا سارا حسن مکانوں سڑکوں چہروں اور لباس کی آرائش اور زیبائش میں صرف ہو گیا تھا۔ دل اندھیرے اور روحیں تاریک ہو چکی تھیں..... زندگی کی اچھی قدروں کا احساس ختم ہو چکا تھا اور انسانوں کے ترقی یافتہ پیراہنوں میں بھیڑے سانپ اور بچھو رینگتے تھے۔

حکومت کے ارکین عموماً مستعد معاون اور مددگار ہیں۔ وہاں پولس خود کو مخدوم نہیں خادم سمجھتی ہے۔ اس میں شک نہیں دنیاوی ذمہ داری کے اعتبار سے امریکہ کے لوگ عموماً بہت فرض شناس محنتی اور بے عذر ہیں وہ کام ٹالتے نہیں اور تاخیر بھی نہیں کرتے، عموماً انہیں کسی کام کے کرنے میں حجاب اور پس و پیش نہیں، وہاں مزدور اور مالک غریب اور امیر میں حاکم اور محکوم میں اس سطح کا فرق نظر نہیں آتا جو ہمارے ملک میں ہے۔ ظاہری شکل و صورت یا رکھ رکھاؤ میں امتیاز مشکل نظر آتا ہے، مثلاً کسی مکان میں اہم مرمت کا کام کرنے کے لئے جب کوئی معمار آئے گا تو وہ بھی اچھے سوٹ میں اور ایک اچھی گاڑی میں ہوگا اور مالک مکان کے ساتھ جب وہ گفتگو کے لئے کھڑا ہوگا تو شکل سے یہ اندازہ ہو سکے گا کہ ان میں کون صاحب خانہ ہے کون مزدور خانہ، جب وہ کام کے لئے تیار ہوگا تو سوٹ اتار دیگا معمولی پینٹ پہن کر بدن پر آپرن ڈال کر کرنی بسولا لیکر جوڑائی شروع کر دے گا اور کام ختم ہوتے ہی ہاتھ منھ دھو اپنا لباس پہن، گاڑی میں بیٹھ کر پائپ سے تمباکو کا دھواں

www.taemeernews.com

اڑاتا ہوا یہ جا وہ جا۔

کارخانوں میں فرموں میں، دفتروں میں اونچے اور نیچے درجے کے کام کرنے والوں میں حیرت انگیز قربت ربط اور اختلاط ہے۔ ڈیوٹی ٹھیک وقت پر شروع ہوتی ہے۔ آٹھ گھنٹے جو کام کے اوقات ہیں اس کے دوران کوئی شخص فارغ نظر نہ آئے گا جم کر ڈیوٹی لیتے ہیں۔ دفتر کے اوقات میں کوئی کسی سے ملاقات نہیں کر سکتا۔ ملاقات کیلئے گھر ہے کام کے لئے دفتر۔ ہر گھنٹے آدھ گھنٹے کے بعد بیرا ہر آدمی کے سامنے چائے قہوہ، ہلکا بسکٹ وغیرہ رکھ آتا ہے، وہیں کھائیے پیجئے کام کیجئے، ہوٹل رسٹورنٹ میں جانے کی اجازت نہیں۔ آٹھ گھنٹے سے اگر نو گھنٹے کام کئے تو ہر ہفتہ فاضل گھنٹوں کے لئے الگ مزدوری ملے گی۔ دفتروں میں کام کھٹا کھٹ ہوتے ہیں نہ سفارش کی ضرورت نہ پیروی کی، سفارشیں پیروئیاں اور رشوتیں بھی ہیں لیکن یہ اوپری سطح پر ہیں۔ عام طور سے نہیں، اور اس نوع کی ساری برائیاں ہیں مگر اس چھچھورپن اور رکاکت کے ساتھ نہیں جو ہمارے یہاں ہیں عموماً کام کرنے والے ہنس مکھ ملنسار اور شیریں گفتار ہیں۔ اسٹیشنوں پر، ایرپورٹ پر کسٹم آفسوں میں، پاس پورٹ اور ویزا کے مقامات پر وہ بدتمیزیاں نہیں ہوتیں جو ہمارے یہاں ہوتی ہیں ..... کسٹم والے عموماً سامان دیکھتے نہیں، صرف دریافت کرتے ہیں، اور دو منٹ میں کام کر کے آگے کی طرف رہنمائی کر دیتے ہیں۔

پولس والے امریکہ میں بڑی حد تک گھر کے لوگوں کی طرح ہیں، ہر ایک قسم کے مسئلے میں وہ مدد اور رہنمائی کرتے ہیں، مثلاً آپ راستے میں بیمار پڑ گئے یا گھر میں ہیں اور اتفاق سے ادھر سے پولس گذری۔ آپ تنہا ہیں

www.taemeernews.com

کچھ نہیں کر سکتے، پولس والا آپ کیلئے امبولنس منگائے گا آپ کے ساتھ اسپتال جائے گا وہاں سارا انتظام آپ کے علاج اور تیمارداری کا کر کے آپ کے رشتہ مندوں کو خبر کر دے گا۔

آپ مسافر ہیں تو آپ کو مناسب واقفیت بہم پہونچائے گا بڑی نرمی اور شیریں زبانی سے آپ کو راستہ بتائے گا۔ ٹیکسی والے کو بلا کر ضروری ہدایات دے گا آپ کو سیلوٹ کرے گا اور خدا حافظ کہے گا۔ یہی حال ٹیکسی ڈرائیوروں کا ہے وہ جب تک صحیح طور پر آپ کو منزل مقصود پر پہونچا نہ دے گا خود بھی مطمئن نہ ہوگا، کرائے کیلئے اصرار نہ کرے گا۔ نہ کرائے کے بہانے سے آپ کو ٹھگنے کی کوشش کرے گا۔

یہ چند باتیں میں نے امریکی زندگی کے متعلق عرض کیں۔ بہر حال تو میں ہرسین برگ میں چند دن اپنی بھانجی کے یہاں ٹھہرا۔ میں نے جولائی ہی میں اسے کراچی سے امریکہ رخصت کیا اور ستمبر میں خود ہی پہونچ گیا۔ اس کی خوشیوں کا کیا ٹھکانہ..... اسے میرے پروگرام کی تفصیلی اور تاکیدی اطلاع نہ تھی۔ لیکن اندازہ ہی پر وہ اور گھر کے سارے لوگ بڑی سی کاڈی لاک سرخ گاڑی پر ہرسین برگ سے چار سو میل۔ دس گھنٹے چل کر شام کو نیویارک ایرپورٹ پر پہونچ گئے..... میں تو ملک کیا صوبے کے اندر بھی تنہا سفر کا عادی نہیں حتی المقدور ہم سفر بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ سات سمندر پار دس ہزار میل دور بالکل اجنبی اور انجان ملک میں میرے جیسے نستعلیق کم سخن کم آمیز انسان کا اچانک پہونچ جانا کس الجھن اور مصیبت کا سامنا ہوگا بالخصوص ایسی صورت میں کہ نیویارک میری منزل نہیں تھی۔ نیویارک سے تقریباً

www.taemeernews.com

آٹھ نو سو میل دور دوسرے پلین سے مجھے شکاگو جانا تھا اس جہاز کے نیو یارک دو گھنٹہ تاخیر سے پہونچنے کے سبب وہ جہاز روانہ ہوگیا، میں شاعر آدمی، نازک مزاج نازک خیال نازک طبیعت سخت ہراس اور مایوسی کے عالم میں کھڑا تھا کہ اردو کا جملہ ایسی زبان سے جو جانا پہچانا تھا بالکل ناقابل یقین طور پر میرے کان میں آیا "ماموں جان"۔ قسم کا یا ملتا جلتا جملہ اور میں اور زیادہ خبط ہو کر سامنے دیکھنے کی بجائے اوپر آسمان سمجھ کر دیکھنے لگا کہ کیا کسی فرشتے نے آواز دی یا شیطان نے دھوکہ دیا حالانکہ اوپر چھت تھی آسمان نہ تھا۔ کہ کچھ جانے پہچانے رنگ کا لباس پہنے ہوئے، ایک لڑکی یا عورت قسم کی چیز میرے گلے سے لپٹ گئی۔ تب کئی سکنڈ کے بعد یہ احساس ہوا کہ ریحانہ ہے پھر میں بالکل بھول گیا کہ میں امریکہ میں ہوں مسافرت میں ہوں، اجنبی ہوں ایسا لگا کہ گھر میں ہوں یا کراچی میں ہوں، پھر اُس کی بچی بچے بھی آ گئے اور میاں قاضی مظہر الحق بھی آ گئے۔ جنہیں میں اور سب لوگ پہلے صرف مانو جانتے تھے اور مانو کہتے تھے۔ ایکدم سے قاضی مظہر الحق بن گئے تو میرا دھیان مولوی مظہر الحق صاحب بیرسٹر اور کانگریس کے صدر اور صداقت آشرم کے بانی کی طرف چلا گیا کھدر کا کرتہ، کھدر کا پاجامہ کھدر کی ٹوپی اور چپل لمبی داڑھی لیکن یہاں تو صفا چٹ تھا اور سوٹ تھا اور شو تھا۔ میں نے کہا میاں مانو نہ مانو میں تو مانو ہی کہوں گا کاہے کو قاضی اور مظہر الحق صاحب کو بدنام کرتے ہو؟ — وہ بجائے اس کے کہ کچھ جواب دیں سامنے کیمرہ لیکر کھڑے ہوگئے..... ارے ارے میاں یہ کیا کرتے ہو؟.. لوگ کہیں گے کہ نیا قسم کا جانور کہیں سے آگیا ہے اسی لئے یہیں فوٹو لے رہے

www.taemeernews.com

ہیں۔ مگر پوز بدل بدل کر کئی فوٹو انہوں نے لے ہی لئے ـــــ پھر ہم نے شب ہوٹل میں بسر کی دوسرا دن اتوار تھا۔ صبح نیویارک سے چل کر شام سے کچھ پہلے ہرلسن برگ پہونچے نیویارک اونیو میں ان کا دو منزلہ رہائشی مکان ہے اوپر چار سونے کے کمرے باتھ روم وغیرہ۔ نیچے کھانے کا کمرہ، ڈرائنگ روم باورچی خانہ اور آفس۔

یہیں سے میں نے امریکہ اور امریکہ میں رہنے والی قوم یا مخلوق کو دیکھنا شروع کیا، میرے لئے ایک کمرہ سونے کو تجویز ہوا جو ایک کنارے تھا.... صبح سات بجے ناشتہ، ٹوسٹ، انڈا، کورن فلیک، دودھ، حلوا، مکھن شہد پنیر سبزی فیرنی سیوئی اور میں نے سمجھا کہ امریکہ میں لوگ اتنا جلد موٹے کیوں ہو جاتے ہیں، گرچہ میرے لئے اس قسم کے انقلابی تبدیلی کی امید اس سے کم ناممکن اب نہیں کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے لگے مگر اتنا ضرور ہوا کہ مجھے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے کا کچھ شوق ہو گیا۔ بارہ بجے دن کو کھانا پھر شام کو چائے اور تحت الثھوی پھر شب کو کھانا ـــــ میں نے دو تین دن میں دیکھا کہ بدن مضبوط ہوا جا رہا ہے اور دماغ کمزور۔ جب شعر سوچنے لگوں تو مکھن اور پنیر یاد آ جائے۔ میں نے کہا لاحول ولا قوۃ یہ تو نیاز کو دو ہی دن میں اپنا پڑھا لکھا سب بھلا دے گا۔ لیکن ریحانہ کو یہ سب فکر کہاں شاعری چولھے بھاڑ میں جائے یہاں مکھن پنیر شہد نہ کھائیں گے تو کیا ستو گھلیکا اور چنے کی گھوگھنی کھائینگے۔ مگر اس کو ہار ماننی ہی پڑی ستو تو نہیں چنے کی گھوگھنی اسے بنانی ہی پڑی۔

مجھے جلد ہی شکاگو جانا تھا۔ برادرم ڈاکٹر خورشید ملک کا فون پر فون آ رہا تھا۔ وہاں ہزار دو ہزار میل سے فون کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک محلے سے

www.taemeernews.com

دوسرے محلے میں۔ خیر ریحانہ اور مانو نے مجھے واشنگٹن ایرپورٹ پہونچایا اور یہ وعدہ کیا کہ بقرعید کرنے کو یہیں آنا ہے..... شاید اکتوبر کی تین چار تاریخ تھی اور اکتوبر کے آخر دنوں میں بقرعید ہونے والی تھی۔

شکاگو میں پہلی بار ایک ہفتہ قیام رہا جس کی روداد قبل بیان ہو چکی، اسی سفر میں برادرم افضل امام بھی شکاگو کے پہلے مشاعرے میں ٹورنٹو سے آکر شریک ہوئے اور میرا پروگرام ٹورنٹو کا یہیں مرتب ہوا۔ اور افضل امام صاحب کے ٹورنٹو واپس ہونے کے دو تین دن بعد مجھے شکاگو سے ٹورنٹو روانہ ہونا تھا۔ شکاگو کے اسی پہلے مختصر قیام کے دوران ایک روز برادرم ولی عالم صاحب نے جو پورنیہ کے رہنے والے ہیں اپنے یہاں ہفتہ واری دینی نشست میں آنے کی دعوت دی۔ ولی عالم صاحب بڑے شفیق محبت دار اور سیدھے سادے مسلمان ہیں ہلکا پھلکا شعر بھی کہتے ہیں جماعت اسلامی سے کچھ متاثر ہیں ان کے یہاں مغرب کے وقت گھر کے اجتماع میں شرکت ہوئی، چند دوسرے اور نزدیک کے احباب اپنی مستورات اور بچوں کے ساتھ آجاتے ہیں۔ نماز مغرب وہیں پڑھی گئی اس کے بعد کچھ تفسیر پڑھی گئی پھر کسی دینی کتاب سے عبارتیں پڑھی گئیں پھر مجھ سے فرمایا گیا کہ اپنے تاثرات کچھ بیان کرو۔ میں نے بہت معذرت کی کہ دینی نشست سے کچھ بولنے میں مجھے پس و پیش ہوتا ہے میں اس کا اہل نہیں لیکن ان کا اصرار بہت ہوا تو چند منٹ میں یہی عرض کیا کہ دین کی محنت کا جو پروگرام آپ نے امریکہ میں قائم کرنا چاہا ہے تاکہ آپ کا ایمان اور عمل سلامت رہے، یہ پروگرام یہاں کے زبردست لادینی اور شیطانی ماحول میں دیر تک نہیں ٹھہر سکتا اور آپ نے زبردستی اسکو ٹھہرانا بھی چاہا تو ہو سکتا ہے آپ کسی

www.taemeernews.com

حد تک بچ جائیں آپ کی نسل نہیں بچ سکتی ۔ یہاں دشمن کے صفوں پر بڑھکر ضرب لگانے کی ضرورت ہے یعنی گھر سے نکل کر راہوں اور شاہراہوں پر پہونچکر عملی اور قولی دعوت دیجئے۔ کچھ مطالبہ ہو اور مطالبہ کے اعتبار سے عمل کا اظہار بھی ہو، وہی سوٹ رہے وہی وضع رہے وہی طریقہ رہے وہی نشست و برخواست وہی رکھ رکھاؤ رہے تو نہ مطالبہ کارگر ہوگا اور نہ خود مطالبہ ہی باقی رہے گا۔ گھروں میں چند الفاظ کہہ لینے اور پڑھ لینے سے باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی اور باہر کی دنیا نہیں بدلی تو باہر کی تیز ہوائیں گھر کے اندر کے نازک پردوں کو چاک چاک کرکے اپنی خوشبو یا بدبو سے گھر کے اندر کے ماحول کو بھی بسا دینگی ۔ انہیں بات پسند آئی اور بولے کہ کیا کیا جائے اور کیسے کیا جائے، میں نے کہا دیکھئے چلئے کچھ ہو رہا ہے آپ دیکھیں تو سمجھیں گے کیا کرنا چاہئے اور کیسے کرنا چاہئے۔

شکاگو سے ٹورنٹو بھی تقریباً آٹھ نو سو میل کی دوری پر ہے۔ پلین سے ڈیڑھ گھنٹے لگتے ہیں۔ سہ پہر کو برادرم ڈاکٹر خورشید ملک نے مجھے شکاگو ایرپورٹ سے ٹورنٹو کے لئے رخصت کیا، شکاگو میں مطلع بالکل صاف تھا کناڈا پہونچتے پہونچتے ابر گھرنے لگے۔ اور ٹورنٹو میں تیز بارش شروع ہوگئی۔ ٹورنٹو ایرپورٹ پر بارش اور کسی حد تک تاریکی ہونے کی وجہ کر وقت پر پلین نہیں اترا، پندرہ بیس منٹ تک ہوا میں چکر کاٹتا رہا۔ بارش تھمی اور مطلع صاف ہوا پلین اترا، آفتاب غروب کے قریب تھا، کسٹم اور امیگریشن آفس سے بہ آسانی جلد نجات مل گئی کسٹم کے بیرونی حصے میں برادرم افضل امام اور ان کے ایک دوست موجود تھے، ان کی کار پر ایک بائیس منزلہ

www.taemeernews.com

عمارت میں آئے یہ عمارت مضبوط ستونوں پر قائم ہے اور نیچے گاڑیوں کے رکھنے کی جگہیں بنی ہیں، یہ تہہ خانے بھی دو منزل ہیں، تیسری منزل سے عمارت شروع ہوتی ہے پندرہویں منزل پر افضل امام کا تین کمروں کا خوبصورت فلیٹ ہے لفٹ اٹومٹک ہے بیک وقت آٹھ دس آدمی لفٹ پر چلتے ہیں ہر منزل کا نمبر ہے بٹن جس نمبر کا دبائیے گا اسی منزل پر لفٹ رُکے گا۔ فلیٹ میں آئے تو برادرم افضل امام کی دلہن اپنی بچی کے ساتھ منتظر تھیں، وہ تو امریکہ ہے، ملک ہی میں ایک شہر میں دوسرے شہر سے کوئی ہموطن آجائے تو دل کا کیا حال ہوتا ہے مختصر یہ ہے عید ہو جاتی ہے۔ دوسرے ہی دن شام کو افضل امام صاحب صاحب کے گھر میں ہفتہ واری اجتماع تھا۔ ہندستان سے جو جماعت تقریباً میرے ساتھ ساتھ آئی تھی اُس کا قیام ان دنوں ٹورنٹو ہی میں تھا۔ مولانا ابراہیم صاحب گجراتی اس کے امیر تھے، مغرب سے قبل ہی جماعت جو آٹھ نو افراد پر مشتمل تھی۔ آگئی۔ دوسرے ان کے عزیز بھتیج داماد، محمد شاہد اور تیسرے ایک حیدرآبادی حامد صاحب تینوں انجنیر اور تینوں جماعت سے وابستہ چنانچہ تین رہبروں کے ساتھ جماعت گشت میں چلی، وہاں گشت کار پر ہوتی ہے۔ آٹھ دس میل دور تک کے حلقے میں گشت ہوتی ہے اسی نوعیت کے ایک اپارٹمنٹ میں جو بیس بائیس منزلہ تھی ہماری جماعت پہونچی۔ نیچے ہی کی منزل میں لفٹ کے کمرے سے متصل کمرے میں پورے مکان کا چارٹ ہوتا ہے۔ کس منزل پر کس فلیٹ میں کون صاحب رہتے ہیں۔ اسی فلیٹ کے نمبر کا بٹن لگا ہوا ہے اور ایک طرف دیوار میں جالی لگی ہوئی ہے۔ وہ بٹن دبائے تو اسی فلیٹ میں گھنٹی بجے گی۔ پھر وہاں سے کوئی پوچھے گا کون صاحب ہیں؟ اسی جالی کے

www.taemeernews.com

قریب منھ لاکر آپ کہیں میں فلاں شخص ہوں آپ سے ملنا چاہتا ہوں وہ اگر مطمئن ہونگے تو وہاں سے بٹن دبائیں گے تو لفٹ کے کمرے والا دروازہ کھلے گا ورنہ نہیں کھلے گا۔

بہرحال اس عمارت میں کچھ مسلمان خاندان رہتے ہیں ، زیادہ ہندی، حیدرآباد، مدراس بنگلور کے کچھ پنجاب اور کراچی کے پاکستانی = وہ جمعرات کا دن تھا دفتر سے عموماً مغرب کے بعد یا مغرب کے وقت لوگ آتے ہیں، عموماً ہر فلیٹ میں بچوں سے ملاقات ہوئی ، دو ایک فلیٹ میں صاحب خانہ بھی ملے۔ دروازے ہی پر کھڑے کھڑے اردو یا انگریزی میں باتیں ہوئیں کام سمجھایا گیا۔ پروگرام بتایا گیا ، عشاء کی نماز میں اپنے فلیٹ میں آنے کی دعوت دی گئی، ہر سننے والا متاثر ہوا، کام سے اتفاق کیا، آنے کا ارادہ کیا وعدہ کیا کسی نے اس روز معذوری ظاہر کی آئندہ حاضری کا وعدہ کیا، کسی گھر میں صاحب خانہ نہ ملے تو پرزہ لکھ کر دیدیا کام کا وہی انداز وہی طریقہ وہی اصول چاہے ہندستان کے کسی کوردہ دیہات گاؤں میں ہو یا کناڈا کے عالی شان شہر ٹورنٹو کے مرکزی شاندار علاقہ میں ہو، بات وہی دعوت وہی کام وہی عمل وہی، اور اس کا اثر بھی وہی نتیجہ بھی وہی = عشاء کے قبل ہم لوگ واپس ہوئے اور عشاء کی نماز کھڑی ہوتے ہوتے اجتماع کی شرکت کی دعوت پر آنے والے آگئے، عشاء کی نماز کے بعد ۲۰/۲۲ افراد کا اجتماع ہوا مولانا ابراہیم صاحب کی اردو ہی میں باتیں ہوئیں، تین دن کے لئے تشکیل ہوئی دعا ہوئی اور پھر کھانا ہوا، کھانے کے بعد جماعت والے اپنی جائے قیام مسجد گئے اور دوسرے احباب اپنے اپنے فلیٹ۔

دین کی نسبت سے کسی ایک مقام پر کناڈا اور امریکہ جیسے شہروں کے

www.taemeernews.com

مقامی ہفتہ واری نشست میں پندرہ بیس احباب کا جمع ہو جانا بہت بڑی بات ہے ان ممالک کا مجمع ہندستان کی طرح کبھی نہیں ہوتا۔ پچیس پچاس ہزار کا مجمع تو کبھی کسی شہر میں کسی نسبت پر ہوتا ہی نہیں وہاں تو گھر گھر ٹیلیویژن ہے ریڈیو ہے ٹیلیفون ہے سب کچھ گھر بیٹھے سن لیتے ہیں ہزار پانچ سو کہیں جمع ہو گئے تو بڑی بات ہوئی۔ اٹلی کے پوپ آئے تھے تو پچیس تیس ہزار کا مجمع عیسائیوں کا ہو گیا تھا یہ امریکہ کا نہایت ہی غیر معمولی مجمع تھا،

دوسرے دن جمعہ تھا۔ ہم لوگ شہر کی ایک مسجد میں جہاں جماعت ٹھہری ہوئی تھی نماز پڑھنے گئے۔ یہ ایک بہت بڑا گرجا تھا، جسے خرید کر کچھ اضافے اور تغیر کے بعد مسجد بنا دیا گیا ہے، غسل خانے اور استنجا خانے بنائے گئے ہیں عورتوں کے لئے الگ نماز خانہ پردے میں ہے۔ اب یہ مسجد اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام ہے۔ جس میں جماعت اسلامی کے متاثرین اور ہمدردوں کی اکثریت ہے عام طور سے ترقی پسند دین کا ماحول ہے۔ تبلیغی جماعت کی کثرت آمد و رفت کی وجہ کر خالص دینی زندگی کے اثرات بھی کچھ لوگوں پر نظر آتے ہیں ورنہ عموماً لابریوں پر زیادہ توجہ ہے، مطالعہ اور مباحثہ میں وقت بہت گذرتا ہے وضع قطع لباس پوشاک شکل و صورت میں عام مغربیت کی پیروی ہے کسی کسی چہرے پر داڑھی بھی ہے۔ نماز کا اہتمام نہیں۔ جمعہ کی نماز تک جماعت وہاں رہی۔ نماز جمعہ اور خطبہ انگریزی وضع اور لباس میں ایک صاحب نے دیا۔ نماز کے قبل مولانا ابراہیم صاحب نے عربوں کے سامنے عربی میں تقریر کی۔ پھر عمومی مجمع کے سامنے جس میں ہندستانی پاکستانی عربی اور عیسائی نو مسلم

www.taemeernews.com

سب تھے اردو میں تقریر کی جس کا ترجمہ انگریزی میں عبدالمقیت صاحب چیف انجینیر بنگلہ دیش نے کیا جن کی جماعت بھی آئی ہوئی تھی۔ تقریباً ڈھائی بجے جماعتیں اپنے اپنے جائے قیام پر چلی گئیں۔ میں عصر تک وہیں ٹھہر گیا۔ عصر کا وقت چارٹ میں پانچ بجے لکھا ہوا تھا۔ لوگ لائبریریوں میں جمع تھے۔ باتیں ہو رہی تھیں پانچ بجنے کو آئے اذان ہو نہیں رہی تھی۔ مجھے بہت افسوس ہوا، میں لائبریری میں گیا، مباحثوں اور گفتگو میں منہمک مجمع سے مخاطب ہو کر میں نے کہا کیا یہاں اذان نماز کے اوقات کی پابندی نہیں ہے؟ جب چاہو اذان دیدو نماز پڑھ لو؟ .... میرے کہنے پر ایک صاحب اٹھے چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے، مسجد میں آئے اذان دی.... لوگ پہلے سے منتظر بیٹھے تھے۔ چند ہی منٹ بعد جماعت کھڑی ہو گئی انہیں صاحب نے سر کھلے اسی لباس میں امامت کی۔

جس وقت نماز جمعہ کے بعد مولانا ابراہیم صاحب ہندستانی پاکستانی عربی اور امریکی احباب کے سامنے اردو میں باتیں کر رہے تھے اور عبدالمقیت صاحب ان کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے، تو میں نے ایک حسین نوجوان عرب کو دیکھا جو درمیان صف اول یوں مودب بیٹھا تھا جیسے خانقاہوں میں شیوخ بیٹھے ہیں، دو زانو، سر خمیدہ، ہاتھ ادب سے زانوؤں پر نگاہیں جھکی ہوئی خاص عربی جبہ اور سر پر عربی رومال۔ میں بار بار اس کی طرف دیکھتا تھا، اس کا استغراق اس کی محویت، اس کا سکون، اس کے چہرے کی معصومیت، سادگی، اور حسن پورے مجمع میں عجیب عالم پیدا کر رہا تھا اس میں شک نہیں کہ امریکہ میں مقیم تمام عرب انگریزی بولتے ہیں اور سمجھتے ہیں لیکن وہ تمام عرب صرف [illegible]

www.taemeernews.com

رہ گئے ہیں ان کی سو فیصد معاشرت مغربیت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ وہ ہر اعتبار سے امریکی معلوم ہوتے ہیں بجز اس کے کہ ان کی عربی زبان زندہ ہے اس کا لب ولہجہ زندہ ہے اس کی فصاحت اور بلاغت ان کے یہاں اسی آب وتاب سے زندہ ہے ..... میں سوچ رہا تھا کہ یہ نوجوان عرب کیا واقعی تمام عرب کی طرح انگریزی سمجھتا ہے؟ ..... ظاہر ہے کہ مولانا کی اردو تقریر کا متن تو اس کی سمجھ سے باہر تھا ہی انگریزی کے متعلق مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ شاید وہ پوری بات نہ سمجھ پا رہا ہو ..... معلوم ہوتا ہے ابھی عرب کے کسی حصہ سے تازہ وارد ہے میں یہ سوچ رہا تھا اور بار بار کنکھیوں سے اسکی طرف دیکھ رہا تھا ..... خیر گفتگو ختم ہوئی دعا ہوئی اس کے بعد لوگ اٹھنے لگے۔ مصافحہ کرنے لگے جانے لگے ..... وہ بھی اٹھا اور بڑی شائستگی کے ساتھ مسکراتا ہوا پہلے مولانا ابراہیم صاحب سے مصافحہ کیا پھر عبدالمقیت صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے ایسی شستہ انگریزی بولا جیسی انگریز بولتے ہیں، اور پھر بجلی کی تیزی سے ذہن پر کا پردہ اٹھ گیا ..... اور میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا ـــــ "عبدالکریم؟" ـــــ اپنا نام سن کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا... .... پھر ہم دونوں بغل گیر ہو گئے اور ـــــ مسٹر کلیم عاجز وھین ڈڈ یو کم؟ "WHEN DID YON COME"؟ ـــــ یہ وہ کناڈین نومسلم تھا جس نے تین چار سال قبل ہندستان کے سفر میں جماعت کے ساتھ چند دن پٹنہ میں بھی گذارے تھے، لوگ یوں بدلتے ہیں

یہ اس کا فضل ہے جسے پروردگار دے

ہمیں اس نومسلم عیسائی کو دیکھتا تھا جس کا اسلام چار سال پرانا تھا اور

www.taemeernews.com

ان عربوں کو دیکھتا تھا جن کا اسلام صدیوں پرانا تھا۔ جو صحابہ کی اولاد ہونگے اور صحابہ کی سرزمین کے باشندے تھے ۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

معلوم ہوا کہ وہ شادی کرنا چاہتا ہے مگر کوئی مسلم خاتون شریعت اسلام کی اس سطح کی نہیں ملتی جو اس کے معیار پر پوری اترے یہ بھی ایک المیہ ہے ۔ معیار اور کسوٹی اب مسلمانوں سے نکل کر نومسلموں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

وہ آزماتے ہیں ہم آزمائے جاتے ہیں

تیسرے دن سنیچر کو افضل امام صاحب کے ایک عزیز دوست حافظ اشتیاق احمد صاحب کے یہاں شعری نشست تھی ، اشتیاق صاحب علی گڈھ کے رہنے والے۔ علی گڈھ یونیورسٹی کے گریجویٹ ، حافظ قرآن ، سراپا ایمان ، مہذب شعار اسلامی کے پابند ، علی گڈھ کے شہر کے امیر کے چھوٹے بھائی۔ آٹھ دس سال سے کناڈا میں مقیم ہیں ، کاروبار کرتے ہیں اور خالص اسلامی زندگی بسر کرتے ہیں ___ شاعر بھی ہیں عموماً غزلیں کہتے ہیں ، اشتیاق صاحب کا مکان عام امریکی مکانوں کی طرح تین کمروں کا ایک چھوٹا مگر کشادہ مکان ہے بیسمنٹ یعنی تہہ خانے کا کمرہ الگ ہے۔ عموماً اسی میں تمام مشینیں گھریلو استعمال کی رہتی ہیں۔ اسی کے ایک کشادہ حصہ میں پچیس تیس ہندستانی اور پاکستانی احباب کا مجمع تھا ، مولانا علی میاں کے ایک عزیز بھی تھے جو شاعر تھے اور مولانا سلیمان ندوی رح کے بھی ایک عزیز تھے جو شاعر نواز اور سخن پسند تھے ، شاعروں میں مخفی صاحب ، کبیر قریشی صاحب ، جوش صاحب ، حافظ اشتیاق صاحب اور افضل امام صاحب اور ایک خاتون شاعرہ بھی تھیں۔ اشعار اور انداز شعر کا

www.taemeernews.com

انتخاب کلام آگے دوں گا، یہ ایک مخصوص نشست تھی اس لئے مخصوص ہی مدعوئین تھے، کناڈا کے شہر میں جہاں دس دس بیس بیس میل پر لوگ رہتے ہیں پچیس تیس سخت مشغول قسم کے لوگوں کا تین چار گھنٹے کے لئے جمع ہونا بہت بڑی بات ہے، یہ نشست چار گھنٹے رہی۔

ٹورنٹو کناڈا کا بہت بڑا شہر ہے اور تقریباً ڈھائی ہزار مربع میل کے رقبے میں آباد ہے، خوبصورت شہر ہے اور بڑا عذار شہر ہے۔ یہی شہر کناڈا کا ہے جہاں دنیا کے ہر حصے کے ہر قوم ہر نسل اور ہر پیشہ کے لوگ آباد ہیں، یہ کناڈا کا کلکتہ ہے۔ موسم عموماً معتدل یا سخت سردی کا ہے گرمی نہیں پڑتی امریکہ اور کناڈا کے شہروں کی ساخت بالکل ایک ہے، ایک قسم کی سڑکیں، ایک انداز کے مکان، ایک انداز کی روشنی دونوں ملکوں میں سفر کی آزادی بھی ہے پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں کسی ایک ملک کے شہری ہونے کا ثبوت ہونا چاہئے امریکی آزادی سے کناڈا آسکتے ہیں کناڈین امریکہ جاسکتے ہیں، سرحد پر صرف شہریت کا تصدیقی کارڈ دیکھا جاتا ہے بس، اور غیر ملکیوں کے پاس کسی ایک ملک کا ویزا ہونا چاہئے، جن کے پاس امریکی ویزا ہے وہ بھی آسانی کے ساتھ کناڈا آجاسکتے ہیں روز آسکتے ہیں روز جاسکتے ہیں۔ میرے پاس چونکہ امریکہ کا ایک خاص ویزا تھا جس پر متعینہ مدت کے اندر (چھ ماہ) جتنی بار چاہیں آسکتے ہیں جاسکتے ہیں اس لئے میں نے کئی بار کناڈا سے امریکہ امریکہ سے کناڈا کا سفر کیا۔

ٹورنٹو سے تقریباً اسّی میل دور دنیا کے چند عجائبات میں سے ایک عجوبہ "نیاگرا فال" ہے جو کناڈا کا حسین ترین اور عجیب ترین مقام ہے۔ اور

www.taemeernews.com

ہزار ہا ہزار سیاح روزانہ یہاں آتے ہیں ٹھہرتے ہیں۔ پک نک مناتے ہیں ان روزانہ کے وقتی سیاحوں کے لئے کیا کیا سامان آسائش اور تفریح پیسے کی فراوانی نے وہاں پھیلا رکھا ہے، بس خدا یاد آتا ہے اور اقبال کا شعر کہ

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

حالانکہ مسلمانوں پر بھی اس نوعیت کی وہ رحمتیں ہیں کہ اب اغیار بھی اپنی آسائش بھول کر مسلمانوں کو رشک و حسد سے دیکھنے لگے ہیں، اب لوگ سوتے ہیں جدّہ میں، ناشتہ کرتے ہیں بیروت میں کھانا کھاتے ہیں پیرس میں، اور اگر کھانا بیروت میں کھا لیا تو شام کی چائے پیتے ہیں پیرس میں ——

لندن کے سب سے گراں بازاروں کے بڑے چھوٹے تمام شوروم اور دوکانوں میں عربی سائن بورڈ لگ رہے ہیں، اور کوئی عرب خریدار آگیا تو پھر انگریز خریداروں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ شوروم کا پورا اسٹاف عرب خریدار کے دائیں بائیں حاشیہ برداری میں رہتا ہے۔ آدھی آدھی دوکان خرید لی جاتی ہے اور لاکھ ہا لاکھ پونڈ کا چیک ہوا میں اڑتا رہتا ہے۔

میں واشنگٹن میں تھا تو سعودی عرب سفارت خانے کے ہیڈ ڈرائیور کو شکاگو سے ٹیلیفون آیا کہ "دو کاریں فوراً شکاگو بھیجو"۔ شکاگو واشنگٹن سے تقریباً آٹھ نو سو میل ہے۔ ہوائی جہاز کا کرایہ اٹھاسی ڈالر ہے، ہر دو گھنٹے پر پلین شکاگو سے واشنگٹن اڑتا ہے لیکن سعودی عرب کے ایک افسر نے ہوائی جہاز سے عوامی سفر کرنا پسند نہیں کیا، دو کاریں آٹھ سو میل گئیں اور افسر صاحب

www.taemeernews.com

لیکر واشنگٹن آئیں۔

بہر حال تو "نیاگرافال" دنیا کے مشہور عجائبات میں ہے۔ ٹورنٹو میں جب تک رہا چند بار احباب مع کار آئے اصرار کرتے رہے چلو "نیاگرا" دیکھ آئیں سیر کرلو کچھ پک نک منالو صبح چلیں شام چلے آئیں، میں نے کہا میر صاحب بارہ سال تک ایک مکان میں رہے۔ ایک دوست نے ایک دن گھر کی ایک کھڑکی کھولی تو سامنے ایک حسین پائین باغ تھا۔ بولے کیا خوبصورت باغ ہے، میر صاحب نے کہا باغ ہے؟ کہاں باغ ہے؟ وہ دوست حیرت میں آگئے، میر صاحب آپ کی کھڑکی کے سامنے اتنا حسین باغ ہے آپ کو آج تک خبر بھی نہیں؟ میر صاحب نے کہا میاں دل کے چمن کی سیر سے کہاں فرصت ملتی ہے کہ باہر باغ کی سیر کروں اور اقبال نے کہا

نظر بہ خویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست

اور میں نے بھی بیس سال پہلے کہا تھا

کرتے رہو غزل میں جگر کے لہو کی بات
اس سرخ رو سے بڑھکے ہے کس سرخ رو کی بات
دل ہی میں ہے ہرے بھرے پھولوں کا اک چمن
جاؤ ہو ڈھونڈھنے کو کہاں رنگ و بو کی بات

مختصر یہ کہ بہت اصرار دوستوں کا ہوا مگر میں نہیں گیا ــــ

ذرا کوئی سمجھا کے عاجز سے کہتا
یہ کیا حال اپنا بنائے ہوئے ہیں

www.taemeernews.com

ہاں ایک چیز کے دیکھنے کا شوق ہوا، سنا کہ کناڈا میں بھی ہندستان ہے۔ یعنی ٹورنٹو ہی میں ـــ میں نے کہا بھئی دکھاؤ۔ وہ دیکھوں گا۔ چنانچہ ہلوگ مرکزی شہر ٹورنٹو کے ایک علاقے میں گئے ... اور واقعی ایسا لگا کہ شاید بمبئی آ گئے۔ اس علاقے کا نام "جرارڈ" ہے یہاں کباب اور روٹیاں پک رہی ہیں، گلاب جامن لڈو اور جلیبیاں فروخت ہو رہی ہیں۔ شوکیس میں ساڑیاں لگی ہیں، پان کی گلوریاں دوکان میں سجی ہیں شلوار پاجامے اور عمامے بھی ہیں، سڑکوں پر سردار جی بھی چل رہے ہیں اور خانصاحب بھی، ساریوں کے آنچل بھی لہرا رہے ہیں اور ڈوپٹوں کے پھر برے بھی اڑ رہے ہیں، سائن بورڈ پر ہندستانی اور پاکستانی نام۔ ہوٹل اور ریسٹورنٹ، چائے خانے اردو زبان بھی، اردو والے چہرے بھی وضع قطع بھی لیکن بہرحال شیروانی مری تنہا ہی رہی، ہاں مری شیروانی دیکھ کر، میاں افضل امام نے بھی اپنا ٹرنک کھولا، سیاہ سرج کی شیروانی نکالی۔ اور حامد صاحب۔ حیدرآباد والے نے بھی اور اشتیاق صاحب نے بھی۔ اور بنگلوری دوست نے بھی اور دوسرے حیدرآبادی احباب نے بھی اور ایک مشاعرہ جو اسٹوڈنٹس یونین ہال میں ہوا، اس نے ٹورنٹو میں مشرقی فضا قائم کر دی، اور اکثر شعرا اور سامعین نے اردو غزل کے کلچر کو بھی ٹورنٹو میں زندہ کر دیا۔ اس سے قبل فیض احمد فیض بھی ٹورنٹو گئے تھے مگر یہ ماحول پیدا نہیں ہوا تھا۔

ٹورنٹو میں کئی مسجدیں ہیں۔ کچھ تو گرجے خرید کر مسجدوں کی شکل میں تبدیل کر دیے گئے ہیں، باہر سے ان کی شکل نہیں بدلی گئی، مینار میں

www.taemeernews.com

ردوبدل کردیا گیا ہے اندر قبلہ متعین کرنے کے سلسلہ میں بنیادی تعمیر میں فرق ڈالنا مشکل تھا اس لئے صفیں بنا دی گئی ہیں ممبر تعمیر کر دئے گئے ہیں مصلی بنا دیا گیا ہے۔ وضو خانے مشرقی قاعدے سے بنائے گئے ہیں مگر استنجا خانے مغربی ہی قاعدے کے کموڈ ہیں۔ یہ بہت تکلیف دہ بات ہے، تمام گھروں میں بھی یہی دیکھا۔ میں نے اس پر اعتراض کیا جواب ملا کہ اس میں طہارت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میں نے کہا صریح فرق آتا ہے پھر استنجا کرنے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کی سعادت اس میں نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔ دوسرا عذر یہ تھا کہ مشرقی قاعدے کے سلیب یعنی کھڈیاں امریکہ میں نہیں ملتیں۔ میں نے کہا آپ ہندستان پاکستان سے درآمد کریں۔ امریکہ میں لاکھوں مسلمان گھرانے ہیں، اچھی خاصی تجارت بھی ہو سکتی ہے۔

دوسری مسجدیں اسلامی طرز تعمیر پر بنائی گئی ہیں، ان کے اندرونی اور بیرونی نقشے بالکل مسجدوں جیسے ہیں۔ ان میں نمازی بھی عموماً وہی ہیں جنہوں نے سو فیصد اسلامی زندگی اختیار کر رکھی ہے۔ ان کی وضع قطع ان کا لباس ان کے چہرے اسلامی شعار کے حامل ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو تبلیغ کی محنت سے بنے ہیں اور تبلیغ کی محنت میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ اپنی کمائی میں اپنے خرچ میں اپنی رہائش میں حتی المقدور سنتوں کے پابند ہیں اُن میں اکثریت ہندستانی پاکستانیوں کی ہے، نومسلم سفید فام اور سیاہ فام عیسائی بھی ہیں، ہندستانیوں میں گجرات اور حیدرآباد والوں کی اکثریت ہے۔ یہ عموماً خود تجارت کرتے ہیں یا تجارتی فرموں میں ملازم ہیں یا کارخانے کے مزدور ہیں۔ ڈیوٹی کے وقت کام کی نوعیت کے اعتبار سے لباس پہنتے ہیں

www.taemeernews.com

اس کے بعد وہی کرتا پاجامہ یا لنگی سفید گول یا دوپلی ٹوپی، تاجر ہوں یا ٹیچر انجنیر ہوں یا پروفیسر ملازم ہوں یا مزدور۔

ٹورنٹو ہی میں ڈیٹورائٹ سے جو پورے امریکہ میں موٹروں کے کارخانوں کا مرکز ہے، ٹیلیفون آیا اور بڑا اصرار ہوا کہ یہاں ایک روز شام غزل منائی جائے اور ٹیلیفون کرنے والے ڈیٹورائٹ میں مقیم میاں حبان تھے جو ہملوگ کے بزرگ حکیم، عبدالقیوم صاحب کے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ان کو پٹنہ میں اکثر دیکھا تھا اور کبھی مقامات پر مشاعروں میں ملاقات ہوئی تھی۔ ٹیلیفون پر یہ بھی لالچ دیا گیا کہ بہت سے قریب کے بھولے بسرے دوستوں سے ملاقات ہوگی۔ پروگرام بن گیا ہم اور برادرم افضل امام ٹورنٹو ایرپورٹ آئے۔ اور ٹکٹ لیکر گیٹ سے نکل ہی رہے تھے کہ جیسے پٹنہ جنکشن پلیٹ فارم پر ٹرین چھوٹ جاتی ہے، ہوائی جہاز پرواز کے لئے گیٹ سے مڑ چکا تھا۔ امریکہ میں پلین کی حیثیت ہندستان میں پسنجر ٹرینوں ہی کی ہے، چنانچہ وہیں ایرپورٹ سے ٹیلیفون کر دیا گیا کہ یہ پلین چھوٹ گیا۔ تین گھنٹے بعد دوسرے پلین سے آئینگے دوسرا پلین تین گھنٹے بعد آٹھ بجے شام میں ملا۔ اور ہملوگ کناڈا ہی کے سرحدی شہر ونڈسر اتر گئے وہاں بی ان کالج کے ایک طالب العلم ابرار احمد اور ان کے چھوٹے بھائی اور اعجاز صاحب جو شوہر گیاوی کے بھانجے ہیں کار لیکر موجود تھے، ونڈسر سے ڈیٹورائٹ تقریباً بیس میل ہے اور دونوں ملکوں کے درمیان سرحد ایک دریا ہے جو گنگا سے زیادہ چوڑا ہے۔ اسپر ایک عظیم الشان پل بھی ہے اور ایک راستہ سطح دریا کے نیچے نیچے ہے، یعنی دریا کی سطح سے تقریباً پچیس تیس فٹ نیچے ایک سرنگ بنائی گئی ہے جو اتنی کشادہ ہے

www.taemeernews.com

چار پانچ کاریں بیک وقت گذر سکتی ہیں، ہم لوگ اس سرنگ سے گئے اور واپسی میں دریا پل سے عبور کیا ڈیٹرائٹ شہر میں داخل ہو کر مزید دس میل شہر کے اندر سیدھے مشاعرہ گاہ تک جانا ہوا۔ جہاں پہونچتے پہونچتے شب کے بارہ بج گئے تھے سینکڑوں ہندستانی پاکستانی احباب اور شعرا کا مجمع آٹھ بجے سے وہاں تھا کالج کے ایک بڑے ہال میں داخل ہو کر ایسا لگا کہ امریکہ کی بجائے ہندستان پاکستان کے کسی ہال میں ہوں، دس پندرہ سال پہلے مسٹر تجمل حسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے صفدر حسین جو خود بھی مرحوم ہو گئے وہاں پہونچے تھے اور پھر ہندستانیوں اور بہاریوں کی درآمد کا وہاں سلسلہ شروع ہوا۔ اتنے احباب پٹنہ کے ملے کہ چہرہ پہچانتے اور نام یاد کرتے کرتے تھک گیا۔ اور سب کے سرخیل۔ میاں حبان بھی نظر آئے کیسے خبر تھی سوائے خدا کے کہ پٹنہ کا یہ نوجوان جو پٹنہ میں باپ کے نقش قدم پر نہ تھا عقیدہ کیا تھا معلوم نہیں لیکن عمل میں وہی حال تھا جو بے پروا اور روایت فراموش جدید تعلیم یافتہ گمراہ نوجوانوں کا ہوا کرتا ہے، سات سمندر پار پہونچکر اپنی کھوئی ہوئی متاع دینی سے منجانب اللہ مالامال ہو جائے گا۔ لیکن ہوا ایسا ہی۔ ملحدانہ عقیدہ کے تمام نوجوان حیرت انگیز طور پر خدا پرست اور دیندار ہو گئے —— پروفیسر ڈاکٹر عبدالمجید صاحب کے بھتیجے اسلم جو کامرس کالج میں لکچرر تھے، وہ بھی ملے۔ اور پھر برادر عزیز ڈاکٹر محمود عبدالحی، اور کتنے نوجوان پٹنہ کے جن کا نام پھر بھول گیا۔ خواتین لڑکیاں، بچے، بوڑھے، پاکستانی شعرا جو بیس تیس سال سے وہاں مقیم ہیں۔

ایک بجے مشاعرہ ہوا اور تقریباً تین بجے جلدی جلدی کر کے ختم کیا گیا۔

www.taemeernews.com

ہم لوگ حبّان کے گھر آئے ۔ دو گھنٹے آرام کرکے صبح کی نماز سب نے پڑھی ناشتہ ہوا اور ناشتے ہی کے دوران ، نیویارک ۔ واشنگٹن کے احباب سے ٹیلیفون پر باتیں اور عہد و پیمان ہوئے اور اس کے بعد ہم سب لوگ ڈاکٹر محمود عبدالحی کے کشادہ حسین مکان میں آئے ۔ وہاں ان کی دلہن انکی ساس یعنی صفدر حسین مرحوم کی اہلیہ اور بچوں سے ملاقاتیں باتیں ہوئیں اور تھوڑی دیر کے لئے امریکہ بھول کر پٹنہ کے گھریلو ماحول میں پہونچ گیا ۔ اور رخصت ہونے لگا تو قلق سا ہونے لگا اور دل بھر آیا بہت اصرار سے کئی گروپ فوٹو لوگوں نے لے لئے ۔ آخر دن کے کھانے سے فرصت پاکر بادل ناخواستہ بوجھل آنکھوں سے وہاں سے رخصت ہوئے دو بڑی گاڑیوں پر ہم برادرم افضل امام ، برادرم حبّان ، برادرم اسلم اور برادرم محمود عبدالحی وغیرہ ڈیٹورائٹ سے چل کر دریا کے پل سے گذر کر تیس میل پھر کناڈا کے شہر ونڈسر آئے ، پلین آیا اور ہم سب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوکر بھرے ہوئے دل اور ڈبڈبائی آنکھوں سے رخصت ہوئے ۔

اسی ڈیٹورائٹ شہر میں ۲۸ / ۲۹ / ۳۰ جون ۸۰ء کو عالمی تبلیغی اجتماع ہونے والا ہے ، اجتماع کے لئے جو جگہ منتخب کی گئی ہے وہ ایک قدیم عرب آبادی کے قلب میں ہے ، اب وہاں ہندستانی اور پاکستانی ہیں ۔ ایک شاندار مسجد وہاں تعمیر ہوچکی ہے ، جس میں لاؤڈ اسپیکر سے اذان ہوتی تھی ۔ علاقے کے شرپسند یہودیوں اور بعض عیسائیوں نے مقدمہ دائر کیا کہ اذان کی آواز سے ہماری نیند اور ہمارے سکون میں خلل پڑتا ہے ۔ لاؤڈ اسپیکر سے اذان بند کی جائے ۔ یہ مقدمہ میرے امریکہ پہونچنے کے چند ماہ قبل ہی دائر

www.taemeernews.com

کیا گیا تھا، میں جب وہاں پہونچا اسی وقت معلوم ہوا کہ ابھی مقدمہ کا ہائیکورٹ سے فیصلہ ہوا ہے اور لاؤڈ اسپیکر سے اذان دینے کی باضابطہ اجازت ہو گئی۔

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

ڈیٹورائٹ سے پھر ٹورنٹو واپس ہوا تو کناڈا کے صدر مقام یعنی دارالسلطنت اوٹوا سے برادرم شاہین غازی پوری کا ٹیلیفون آیا کہ دو دن کا پروگرام اوٹوا کے لئے بھی ضرور بنانا ہے۔ مجھے بقرعید کرنے کے لئے حسب وعدہ ایک ہفتہ قبل اپنی بھانجی کے یہاں ہرسین برگ واپس ہونا تھا۔ وقت کی تنگی تھی، مگر شاہین صاحب کی دعوت رد کرنے کی ہمت نہیں تھی بیس پچیس سال پہلے یہ پٹنہ میں تھے تو ان کی غزلیں صبح نو میں پڑھتا تھا۔ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان ڈھاکہ گیا تو بہار کا پورا حلقہ ٹوٹ پڑا اور اس حلقے میں شاہین صاحب بہت نمایاں تھے، جذبے سے متلاطم دل اور اس تلاطم کو اندر دبائے ہوئے کم سخن لب یا در کھنے کی چیزیں ہیں، بے حد محبت کرتے ہیں لیکن محبت کا اظہار نہیں کرتے بعض حرکات و اعمال سے اظہار ہو جاتا ہے، بہر حال یہ پروگرام بن گیا اور میں تنہا ٹورنٹو سے اوٹوا کے لئے روانہ ہو گیا، مسافت تقریباً تین سو میل ہے اور وقت مشکل سے پون گھنٹہ لگتا ہے۔

اوٹوا کے متعلق تصور تھا کہ کناڈا کا دارالسلطنت شاندار اور عظیم شہر ہے، مگر ایرپورٹ ہی دیکھ کر مایوسی ہوئی، شکاگو ٹورنٹو کے مقابلے میں بہت چھوٹا ایرپورٹ، وسعت بھی کم اور عمارت بھی چھوٹی اور معمولی،

www.taemeernews.com

ایر پورٹ کے پہلے ہی بیرونی گیٹ پر شاہین صاحب مل گئے، اور میں نے دیکھا کہ دس سال میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہے۔ وہی سنجیدہ چہرہ، خاموش لب، دھیمی آواز، ہلکی مسکراہٹ۔ لیکن بدن سے چستی اور پھرتی اور چال سے تیزی اور مستقل مزاجی نمایاں۔ ان کی کار پر شہر سے گذرا تو شہر بھی چھوٹا نظر آیا۔ جیسے بمبئی یا دلی کے مقابلے میں پٹنہ۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کی جغرافیائی حیثیت اہم ہے دوسرے یہ کہ امریکن اور کناڈین روایت پرست بھی بہت ہیں، گرچہ کناڈا کے دوسرے شہر تجارتی اثرات کے نتیجے میں بہت تیزی سے ترقی پذیر ہو گئے مگر اوٹوا تاریخ قدیم سے حکومت کا مرکز ہے تو یہیں اب بھی ہے۔ گھر آیا تو ان کے چار بچے بچیاں ملیں، بہت شائستہ اور مہذب۔ شام کو ان کی دلہن، روشن اپنی ڈیوٹی سے آئیں تو بالکل بہن بن گئیں، یہاں بیٹھو اور یہاں سوؤ، اور یہ کھاؤ اور وہ کھاؤ دو روز قیام رہا اور دونوں روز انہوں نے اپنی حکومت نہیں چھوڑی گرچہ وہ ہم سے چھوٹی ہیں لیکن انداز ایسا اختیار کیا جیسے بڑی بہن ہیں۔ مجھے بھی لطف ہی آیا اس لئے اپنا بڑاپا نہیں جتایا انہیں کا بڑاپا مانتا رہا۔

دوسرے دن شام کو گھر کے ہال میں مشاعرہ ہوا، اچھے خاصے چالیس پچاس احباب اور خواتین جمع ہو گئیں اور شاہین صاحب بولے کہ آج چونکہ چھٹی کا دن نہیں ہے، اور اطلاعات کے لئے بھی وقت وافر نہیں ملا۔ ورنہ اس ہال میں گنجائش محال ہوتی۔ اوٹوا جیسے شہر میں اتنے شاعروں کی موجودگی تعجب خیز ہے ہندوستانی پاکستانی مرد اور خواتین ملا کر تقریباً دس شعرا اور شاعرات تھیں۔ کچھ اور بھی تھیں خود شاہین جو میزبانی اور مہمانوں کی خاطر داری میں بہت مشغول ہونے کی

www.taemeernews.com

وجہ کر کلام نہیں سنا سکیں، بہار کی شاعروں کی اکثریت تھی۔ ابرآر صاحب اور ان کی اہلیہ، رعنا صاحب، شاہین صاحب اور ان کی اہلیہ۔ شرما صاحب دہلی کے ہیں اور خوب کہتے ہیں غزلیں بھی اور نظمیں بھی، افسوس کہ نہ تمام شعرا اور شاعرات کا نام یاد رہ سکا نہ کلام۔ شاہین صاحب کی چند غزلوں کے کچھ اشعار پیش کرتا ہوں۔ وہ دیندار ترقی پسند شاعر ہیں، ہلکا سا میلان جدیدیت کی طرف نظر آتا ہے۔ پرانے اور مشاق شاعر ہیں۔ زندگی کو اور کائنات کو اور دونوں کے باہم تفصیلی رشتے کو فلسفیانہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور فلسفے سے ہٹ کر شاعرانہ انداز میں ترجمانی کی کامیاب کوشش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں جدیدیت کے بیمار شاعروں کی طرح زندگی کا بے وزن کرب بے مزہ چڑچڑاہٹ اور زندگی پر مضمحل تنقید نہیں ہے، ان کے یہاں بصیرت کے ساتھ پر وقار محاکمہ ہے اور زندگی کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش ہے۔

شاہین صاحب غازی پور ضلع مونگیر کے رہنے والے ہیں، بہار یونیورسٹی سے شماریات میں ام اس سی کر کے مارواڑی کالج بھاگل پور میں لکچرر ہوئے۔ پھر ڈھاکہ چلے گئے اور آدم جی جوٹ مل میں اعلیٰ افیسر رہے، اسلام آباد میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر شماریات رہ کر کناڈا چلے آئے اور کارلٹن یونیورسٹی کناڈا سے ریاضیات میں ام اس سی کر کے وہاں محکمہ ڈاک میں ایک ذمہ دار افیسر کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں آپ کے مجموعۂ کلام کا نام "رگ ساز" ہے کناڈا میں کئی نظمیں انگریزی جامہ پہن کر شائع ہو چکی ہیں، اوٹوا دارالسلطنت کناڈا کی اردو دنیا کے روح رواں اور شاعروں کے پیر مغاں ہیں۔

نمونۂ کلام—

www.taemeernews.com

حسن پر بوجھ ہوئے اس کے ہی وعدے اب تو ترک کر لے غم دل اپنے ارادے اب تو
اس قدر عام ہوئی شہر میں خوں پیرہنی نظر آتے نہیں بے داغ لبادے اب تو
تو ٹھہرتا نہیں میرے لئے پھر ضد کیسی قید اس ہم سفری کی بھی اٹھا دے اب تو
اشتہار اپنا لئے پھرتا ہوں قریہ قریہ کیا ہے قیمت میری یہ کوئی بتا دے اب تو
خود کو پہنچائی ہے کیا کیا نہ اذیت میں نے
کوئی شاہینؔ مجھے اس کی سزا دے اب تو

حال اب اور ہی دل کا ہوگا میرا غم خوار بھی رسوا ہوگا
جھوٹ چہرے پہ سجانے والے کوئی آئینہ تو سچا ہوگا
کھینچ مت یوں کہ قبا ہی پھٹ جائے لفظ مفہوم سے ننگا ہوگا
آئینے کی تو شرارت تسلیم کچھ تو آنکھوں کا بھی دھوکا ہوگا
موت کو جھیلنے والو کہیو زندگی سا کوئی نشہ ہوگا؟
ہم نے جس رات کے صدمے جھیلے پھر اسی رات کا دھڑکا ہوگا
دور تک دل کی گزرگاہوں میں
اک پُر اسرار دھندلکا ہوگا

ثریاؔ صاحب، ابرارؔ صاحب، ضیاءؔ صاحب، روشنؔ صاحبہ جن کا نام یاد رہ گیا۔ ان کا کلام نہیں مل سکا اور کئی اہم شعرا اور شاعرات کا نام کلام کچھ یاد نہیں رہ سکا۔ اس وقت سفرنامہ لکھنے کا خیال نہیں آیا۔ جب خیال آیا تو یادوں کی جھولی میں جو کچھ بچا کھچا ملا اسی پر اکتفا کیا گیا میرے دوست حیات امام صاحب امریکہ اور کناڈا میں اردو شاعری اور شاعر کے موضوع [illegible]

www.taemeernews.com

ملیں گی۔

اوٹوا میں ایک جمعہ نصیب ہوا۔ ہلکی ہلکی برف گر رہی تھی۔ اور تیز سرد ہوا ہڈیوں کے اندر گھس رہی تھی، میں اور شاہین صاحب تیار ہو کر کچھ قبل مسجد کی طرف چل پڑے۔ راہ میں کچھ کاریں اور ان کے سوار ایسے ملے جنہیں گذرتے دیکھ کر ایسا لگا کہ ہمارا بھی ایک قافلہ ہے جو مخالف ماحول اور فضا میں مخالف رنگ و آہنگ میں جانا اور پہچانا جا سکتا ہے۔ یہ مسجد کی مخلوق تھی جو ادائے فریضۂ جمعہ کے لئے جامع مسجد کی طرف اکّا دکّا سرگرم سفر تھی۔ مسجد ایک خوش منظر پس منظر میں دور ہی سے دلوں کو گرماتی ہے۔

پوری مسجد پر ایک ہی گنبد اور ایک ہی مینار ہے۔ اس گنبد نے اس وسیع اور عریض ہال کو اپنی آغوش میں لے رکھا ہے جہاں نماز ادا کی جاتی ہے۔ ہال قیمتی قالین سے مزین ہے عموماً قالین لمبی جانماز کی شکل میں ہے۔ نمازیوں میں وہی تین نوعیت کے اصحاب نظر آتے ہیں جو عموماً امریکہ اور کناڈا کی تمام مسجدوں میں ملے۔ بالکل یورپین معاشرت کے مسلمان۔ سر سے پاؤں تک انگریزی لباس اور عریاں سر و شکل و صورت انگریزوں کی۔ یہ عموماً عرب ہیں، دوسرے وہ عرب اور ہندی و پاکستانی جو اسلامی معاشرت اختیار کر رہے ہیں جنہوں نے سر پہ رومال باندھ رکھا ہے گرچہ لباس انگریزی ہے چہرے پر کہیں کہیں داڑھیاں نمایاں ہیں، اور تیسرے وہ مسلمان جو سرتاپا اسلامی معاشرت میں ڈوب چکے ہیں، اس میں عرب بھی ہیں نومسلم عیسائی بھی ہیں اور ہندی اور پاکستانی بھی۔ ان کا لباس عموماً عربی یا ہندستانی ہے، ہندستانی میں نے اس لئے کہا کہ اس مسجد میں پہلی مرتبہ کچھ بزرگوں کو شیروانی اور مخمل یا گرم ٹوپی

www.taemeernews.com

میں دیکھا۔ عموماً اور مسجدوں میں تبلیغ سے متعلق حضرات عربی لباس میں ملے۔ خواہ وہ خاندانی مسلم ہوں نومسلم ہوں، عرب ہوں، عیسائی ہوں یا ہندی اور پاکستانی ہوں۔ اوٹوا کی مسجد میں کئی شیروانیاں دیکھیں، یہ حیدرآباد اور دہلی کے رہنے والے تھے، میری آمد سے باخبر تھے۔ اور ان کا اصرار تھا کہ نماز بھی میں پڑھاؤں اور اردو میں خطبہ دوں۔ میں نے معذرت کی اور بشرط قیام دوسرے جمعہ میں یا دوسرا سفر ہوا تو کسی اور جمعہ میں یہ خدمت انجام دینے کا وعدہ کر کے جان چھڑائی۔ نماز اور خطبہ ایک عرب دوست نے دیا جو اردن کے عالم تھے بلکہ محقق تھے۔ امریکہ میں قیام تھا سر سے پاؤں تک انگریزی وضع اور صورت شکل بھی انگریزوں کی، نہایت شستہ انگریزی میں دینی مسئلہ پر خطبہ زبانی دیا اور اسی انداز اور وضع میں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد انتظامی امور پر کچھ تقریریں اور لکچر ہوئے۔ مسجد کے عقب میں بڑا ہال ہے جو بچوں اور کمسنوں کا مدرسہ ہے سنیچر اور اتوار دو دن یہاں بچوں کو لیکر والدین آتے ہیں اور چار گھنٹے دینیات کا کلاس ہوتا ہے۔ کلاس لینے والے علاحدہ مدرسین نہیں ہیں انہیں آنے والوں کے سپرد اپنی صلاحیت علم اور ذوق کے اعتبار سے تعلیم و تدریس کی ذمہ داریاں بھی ہیں، بہرحال نماز ادا کر کے جی بہت خوش ہوا، کوئی شہر الیا الحمد اللہ امریکہ اور کناڈا میں نہیں ملا جہاں مختلف مسجدوں میں بالعموم پانچ وقت کی نماز جماعت اور بالخصوص نماز جمعہ نہیں ہوتی ہو۔

دوسری صبح کو اوٹوا سے ٹورنٹو واپسی ہوئی، شاہین صاحب آمادہ نظر آتے تھے نہ ان کی بیگم، دونوں کا بیحد اصرار کہ کم از کم ایک ہفتہ یا دو چار ہی روز اور رہ جاؤں اپنے دل کا بھی یہی تقاضا ہو رہا تھا۔ لیکن وقت کی قلت تھی،

www.taemeernews.com

عید الاضحیٰ قریب آگیا تھا اور مجھے ہرسین برگ روانہ ہونا تھا، سخت گرانی اور دل سوزی سے میں رخصت ہوا اور وہ دونوں اپنی اپنی ڈیوٹیاں چھوڑ کر ایرپورٹ پہونچانے آئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ واپس جانا نہیں چاہتے جب تک نگاہیں کام کرتی رہیں ہوائی جہاز پر جاتے ہوئے دونوں ہمیں دیکھتے رہے سلام کرتے رہے ہم مڑ مڑ کر دیکھتے رہے اور سلام لیتے رہے :

مجنوں گورکھپوری کا شعر ہے ۔

پرانی منزلیں منزل پہ منزل یاد آتی ہیں
مسافر پہ خلش دل سے بہ آسانی نہیں جاتی

امریکہ یا کناڈا مادی آسائشوں راحتوں فراغتوں کی اونچی چوٹیوں کا ملک ہے وہ سب کچھ حاصل ہے جو اس مادی زندگی کو بہترین شکلوں میں گذارنے کے لئے زیادہ سے زیادہ درکار ہو اور انسان ان کے قریب آکر ان میں ڈوب جاتا ہے ، مدہوش ہوجاتا ہے ۔ لیکن اس کی حیات کا ایک اور پہلو ہے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور ہمیشہ پوشیدہ ہی رہتا ہے ، لیکن اس کی ایک طاقت ہے یہ طاقت کمزور ہوجاتی ہے بیمار ہوجاتی ہے ، بے بس اور پابہ زنجیر ہوجاتی ہے ختم نہیں ہوتی ، اس کی کچھ اور پیاس ہے اس کی کچھ اور بھوک ہے اس کی کچھ اور طلب ہے ..... کبھی کبھی زنجیر توڑ کر انگڑائی لیکر یہ بھوک یہ پیاس ابھر آتی ہے یہ طلب بیدار ہوجاتی ہے ۔

جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت ہو رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں لئے ہوئے

یہ فرصت تصور ، یہ فرصتِ محبت ، یہ فرصتِ قربت امریکہ میں کہاں ، کناڈا میں

www.taemeernews.com

کہاں ۔ مالوں اور آسائشوں کی فراوانی میں کہاں برگد کے درخت کے نیچے، فطرت کی خالص ٹھنڈی چھاؤں جس میں تھوڑی حرارت دھوپ کی بھی ہو۔ ٹھنڈی ہواؤں میں تھوڑی تھوڑی مہک گرم لو کی بھی آجاتی ہو کھردری چارپائیوں پر بیٹھے چیت گاتے ہیں، پرانے تجربات کو دہراتے ہیں۔ ایک دوسرے کی حماقتوں پہ مسکراتے ہیں آئندہ کے نئے اور خوش آئند منصوبوں کے بنانے میں اور اس کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ بٹاتے ہیں جو ایک سادہ منہ م لذت ہے اس کو امریکہ اور کناڈا کہاں پا سکتا، جنہوں نے وہ زندگیاں گذاری ہیں جیتی جی وہ منزلیں سامنے آجاتی ہیں اور دل کو مغموم اور اداس کر دیتی ہیں۔ نہ جانے شاہین اور روشن کے دل کو ان بھولے بسرے تصورات کی نامعلوم حرارت نے کتنی دیر گرم رکھا ہوگا؟ ۔ کم از کم جب تک ایرپورٹ پر ہوں گے وہ نامعلوم اور اس وقت کیلئے بے نام کیفیت ان کے دلوں میں خاموشی سے گردش کر رہی ہوگی ـــــ لیکن اس وقت ان کو نہیں ملا ہوگا کہ اس کیفیت کو کوئی مستقل نام دیں، میں چونکہ اکثر انہیں کیفیتوں میں رہتا ہوں اس لئے انہیں پہچانتا ہوں ۔

ٹورنٹو آکر دو روز بعد واشنگٹن ہوتے ہوئے ہرسین برگ روانگی تھی، ٹورنٹو سے برادرم حسین امام کو واشنگٹن اپنے آنے کے وقت اور پلین نمبر سے بذریعہ ٹیلیفون اطلاع کر دی۔ واشنگٹن میں تین اہم ایرپورٹ ہیں، واشنگٹن ڈللس اور بالٹی مور یہ تینوں بین الاقوامی ہوائی اڈے ہیں۔ ان کے علاوہ ملکی اور مقامی آمد و رفت کے لئے اور بھی چھوٹے ایرپورٹ ہیں، ہمارا پلین واشنگٹن ایرپورٹ پہ آیا، بڑا طویل ایرپورٹ ہے ایرپورٹ کی عمارت کئی

www.taemeernews.com

فرلانگ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ٹھہرنے کے مقامات بہت ہیں۔ میں قریب ترین ویٹنگ ہال میں سامان کے ساتھ آکر حسین امام کا منتظر رہا۔ انہیں موجود رہنا چاہئے تھا، میں انہیں نہیں پہچانوں لیکن وہ تو ہزاروں میں بہ آسانی مجھے پہچان لے سکتے تھے، شیروانی پاجامہ ٹوپی کی سعادت وہاں اور کس کو نصیب ہو سکتی ہے۔ دیر تک انتظار کرنے کے بعد مجھے تشویش ہوئی۔ میں نے ایرپورٹ سے انہیں ٹیلیفون کیا۔ ان کی اہلیہ نے بڑی بے تابی سے جواب دیا کہ دیر سے وہ آپکو لینے کے لئے نکلے ہوئے ہیں معلوم ہوتا ہے ٹرافک جام میں کہیں رک گئے ہیں آپ وہیں پر رہئے وہ پہنچ رہے ہیں۔ میں نے اپنے ویٹنگ ہال کا نام فون پہ بتا دیا۔ پھر پون گھنٹے انتظار کرتا رہا بڑی الجھن ہوئی پھر فون کیا ان کی اہلیہ اور زیادہ بیتابی سے کہنے لگیں کہ ایرپورٹ سے ان کا ٹیلیفون آیا تھا وہ دیر سے آپ کو ایرپورٹ پر ڈھونڈھ رہے ہیں میں نے جگہ بتا دی ہے وہ اب پہنچ ہی رہے ہوں گے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایرپورٹ کی عمارت کتنی وسیع اور طویل ہے، کتنے ویٹنگ ہال ہیں بہرحال تھوڑی دیر کے بعد انہیں دور سے میں نے بھی دیکھ کر پہچان لیا، انہیں بچپن میں دیکھا بھول گیا لیکن ان کے بڑے بھائی سے برابر ملاقات رہی۔ دونوں کی کاٹھی ایک ہی ہے۔ ایک بھائی کو پہچاننے والا دوسرے کو فوراً پہچان لیگا ـــــ ہندستانی مسلمان کسی عالم میں چھپ نہیں سکتا ہے۔

ایرپورٹ سے حسین امام کا مکان بس بارہ میل پر ہے۔ ان کے گھر آئے دو بڈ روم ایک ڈرائنگ روم ایک ڈائنگ روم ایک آفس ـــــ چھوٹا سا عافیت وہ مکان۔ گھر کے اندر کا ماحول بالکل مشرقی بچے ہندستانی

www.taemeernews.com

لباس میں . بیوی خالص بہاری قسم کی اونچی تعلیم یافتہ خاتون برادرم حسین امام بھاری بھرکم ہونے کے باوجود آواز میں ہلکی سی نسائیت کی جھلک رکھتے ہیں. خوب بولتے ہیں اور بولتے رہتے ہیں ہر موضوع پر بولتے ہیں، امریکی زندگی پر مشرقی زندگی پر ادب پر شاعری پر تعلیم پر صحافت پر سیاست پر مذہب پر۔

حسین امام نے کہا کہ بس چند گھنٹے قیام آپ کا واشنگٹن میں ہے. آپ کی بھانجی کا ٹیلیفون آچکا ہے وہ سب کے سب آٹھ بجے شب کو ہرشین برگ سے یہاں پہنچ رہے ہیں، اور یہاں کھانے سے فارغ ہوکر اسی وقت دس بجے شب میں آپ کو لیکر وہ لوگ ہرشین برگ واپس ہوجائیں گے. اس چند گھنٹے قیام کو غنیمت جان کر ہم لوگ نے آٹھ بجے شب ہی میں ایک نشست دو گھنٹے کی رکھی ہے. چنانچہ شام ہوتے ہوتے بہاریوں! و حیدرآبادیوں کا قافلہ پہونچنا شروع ہوگیا، برادرم طفیل احمد رضی الدین صاحب پٹنہ سیٹی کے داماد. مع اہلیہ اور بچی. سکندر اعظم جو پٹنہ کالج میں مجھ سے دو سال نیچے تھے اور بزم ادب کے الیکشن میں میرے ساتھ اسسٹنٹ سکریٹری رہے اسی رفتار گفتار مزاج عادات اطوار اسی شکل وصورت اور اسی محبت وشفقت کے ساتھ آکر دندنا گئے اور برادرم طفیل کے بھائی امتیاز ان کی اہلیہ، کچھ حیدرآباد کے احباب اور خواتین کچھ دوسرے بہاری شناسا دوست. مختصر یہ کہ شام ہوتے ہوتے ڈرائنگ روم بھر گیا. اور آٹھ بجے ریحانہ، مانو ان کے بچے بچیاں. تیز سردی میں ہرشین برگ سے ڈیڑھ سو میل سفر کرکے آموجود ہوئیں اور آتے ہی نشست شروع ہوگی، گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک. واشنگٹن کا وہ نہری مکان عظیم آباد یا لکھنؤ کے کسی نہایت ہی صاحب ذوق کی نشست گاہ بن گیا۔

www.taemeernews.com

دس بجے نشست سے فارغ ہوکر کھانا کھا کر نماز عشا ادا کر کے گیارہ بجے شب میں وہاں سے روانہ ہوکر راستہ میں تیز سردی بہلانے کے لئے کئی ریسٹورنٹ میں چائے اور کافی سے شغل کرتے ہوئے ڈھائی بجے شب ہرسین برگ پہونچے۔ سب لوگ سو گئے میں نے نماز کی نیت باندھ لی اور فجر کے وقت اول وقت میں نماز فجر ادا کر کے بجلی کی انگیٹھی تیز کر کے ہم بھی پلنگ پر دراز ہو گئے، دوسرا دن اتوار سب کی چھٹی کا تھا۔

پورا مکان گیس سے گرم رہتا ہے، کسی دن گیس کی سپلائی کم ہو گئی تو ہر کمرے میں بجلی کی چھوٹی بڑی انگیٹھیاں کام کرتی رہتی ہیں۔ بجلی ہی کی الارم گھڑی حسب مرضی وقت پر جگا دیتی ہے۔

۳۰ اکتوبر کو نماز عید الاضحیٰ ہونی تھی، ہرسین برگ میں تو نماز نہیں ہوتی، یہاں تو بہت ہی خاندان ہیں، دوسرے دو خاندان بیس پچیس میل دور ایک مقام پر جانے والے تھے جہاں کچھ مسلمان اجتماعی طور پر ایک جگہ نماز عیدین ادا کرتے ہیں۔ ہم لوگوں نے واشنگٹن کی جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کا پروگرام بنایا، اس سال واقعی اس گھر میں عید نظر آئی، بچے بہت سویرے سے ہی اٹھ کر تیاریوں میں لگ گئے، ہم لوگوں نے بھی ۶ چھ بجے صبح غسل کیا، کپڑے بدل کر افطار اور کھانے کا تمام سامان ناشتہ دانوں میں ٹفن بکس میں تھرمس میں بیگ میں ساتھ لیکر سات بجے ہرسین برگ سے واشنگٹن روانہ ہوئے تیز چل کر سوا دو گھنٹے میں واشنگٹن پہونچ گئے، مسجد سے دو فرلانگ دور ہی سے چاروں طرف موٹروں کی قطاریں پارک ہو چکی تھیں۔ دیر کے بعد ہم لوگوں کو ایک جگہ ملی۔ وہاں سے پاپیادہ روانہ ہوئے۔ اور ایک بہت

www.taemeernews.com

فراخ اور کشادہ شاہراہ پہ آکر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور دل جوش میں تڑپ کر حلق تک آ گیا . . . . اس ملک میں جہاں سے اسلام کی بیخ کنی کے اجتماعی اور انفرادی منصوبے بنتے رہے اور کامیاب ہوتے رہے اس ملک کے دارالسلطنت کے قلب شہر میں اسلام کا جھنڈا ایک نہایت شاندار حسین اور پرجلال مسجد کے منارے پر لہلہا رہا تھا ـــــ مسجد قدیم اور جدید، شرقی اور مغربی طرز تعمیر کا ایک پروقار اور دلکش نمونہ ہے ۔ مسجد کا زیادہ تر بیرونی حصہ خیموں اور شامیانوں سے چھپا ہوا تھا مسجد کی وسیع اور عریض عمارت نمازیوں کی تعداد کے لئے بالکل ناکافی تھی، مسجد کا حصہ سات آٹھ ہزار نمازیوں کی گنجائش رکھتا ہے، لیکن تعداد بارہ ہزار سے زیادہ تھی، جن کے لئے الگ خیمے اور شامیانے مسجد کی عمارت اور صحن سے متصل لگائے گئے تھے، ایک بہت بڑا خیمہ اور قنات اور پردے کے ساتھ خواتین اور بچیوں کے لئے تھا۔ اور مسجد کا تمام اندرونی اور بیرونی حصہ خوش پوش مسلمانوں سے بھرا ہوا تھا، سوٹ پر ایرانی یا ترکی یا عربی ٹوپی، یا صافہ اور عمامہ، شیروانی اور ایرانی اور رامپوری ٹوپی، کوٹ قمیص اور شلوار پر کلاہ اور پاؤں میں پشاوری چپل ہر لباس کے کسی نہ کسی جزو سے اسلامی شان اور جلال نمایاں تھا ۔ مستورات ساریوں، شلوار جمپروں اور دوپٹوں میں ملبوس تھیں برقعہ پوش خواتین بھی تھیں ، تمام خواتین اور لڑکیاں اور بچیاں مشرقی لباس میں ۔ تقریر شروع ہو چکی تھی پہلے عربی پھر انگریزی ۔ اور نمازیوں کی تعداد میں ہر منٹ اضافہ ہو رہا تھا، صفیں شاہراہ تک پہونچ گئی تھیں، ٹرافک کا رخ موڑ دیا گیا تھا، وردی پوش پولس افسران ہر طرف انتظامات میں مصروف تھے، ٹیلیویژن والے اپنے اپنے سامان

www.taemeernews.com

ٹیکوں اور وان پر لئے ہوئے تصویریں لینے میں انہماک سے مصروف تھے۔
خطبہ ہوا نماز ادا ہوئی۔ اور اس کے بعد گلے ملنے کا جو سلسلہ چلا تو پھر کسی کو یاد نہیں رہا کہ ہم امریکہ میں ہیں، میں تو خیر یہ دیسی تھا مگر اس مجمع میں پردیسی ہونے کا احساس بالکل نہ رہا۔ بقر عید اب میرے لئے خوشی کا تہوار نہیں، ادائے فرض کا ضرور ہے، اکثر بقر عید کا دن رونے میں گذرتا ہے۔ یہی وہ دن ہے جب بیالیس سال پہلے مجھے وہ زخم لگا جو شاعری بن کر نمودار ہوا جس کی سرخی میرے الفاظ میں، حدّت میرے جذبات میں اور جھلک میری آواز میں ہے، جس کا مادہ آنسو بن کر نکلتا ہے اور درد غزل بن کر۔ اس دن میں بہت اداس رہتا ہوں۔ یادیں گھنگھور گھٹا بن کر جھوم کر آتی ہیں اور آنکھوں سے ٹوٹ کر برستی ہیں، مگر واشنگٹن کی جامع مسجد میں بقر عید کی نماز نے ان یادوں کو نہ آنے دیا اس خوشی نے کہ یہی وہ سحر ہے جو خونِ صد ہزار انجم سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ صبح صادق ہے ابھی طلوع آفتاب میں دیر ہے مگر صبح صادق کی روشنی کی لکیر ظاہر ہو چکی ہے۔ واشنگٹن میں مسلمان نماز ادا کر کے بغل گیر ہو رہے تھے چاک دل سے چاک دل مل رہے تھے اسی سرزمین پر جہاں چاک دل کا تصور ختم ہو چکا ہے اسی خشک اور بنجر زمین پر سبنہ چاکان چمن کا یوں جھوم کر ملنا ''حسن'' عالم نو'' کی آمد کا مژدہ ہے جو ابھی پردۂ تقدیر میں ہے اور جسے اقبال کی نظروں نے بے حجاب دیکھا تھا۔۔۔۔۔۔۔ میں ایسا مسرور تھا کہ برسہا برس سے یہ سرور مجھے نصیب نہیں ہوا تھا اور میں جو تصویر کھچوانے سے پرہیز کرتا ہوں خود اپنے عزیز مظہر الحق عرف مانو سے اصرار کیا کہ اس منظر کے پس منظر میں میری تصویر لو۔ چنانچہ کئی زاویے سے اور مجمع اور مسجد کے کئی پہلو سے

www.taemeernews.com

تصویریں لی گئیں، افسوس کہ وہ تصویریں کچھ ضائع ہو گئیں کچھ اب تک مجھے نہیں مل سکیں ورنہ میں اس کتاب میں انہیں ضرور شامل کرتا۔

میں نماز پڑھنے کے بعد گھنٹوں اس منظر کا لطف لیتا رہا، اور مجمع بھی، یہاں کی طرح نماز پڑھکر فوراً منتشر نہیں ہوا۔ بلکہ تین چار گھنٹے وہیں رہا۔ معانقہ بانیں پھر وہیں مسجد کے صحن میں، فٹ پاتھ پہ، سڑک پہ، دسترخوان بچھنے لگے، ٹولیاں بیٹھنے لگیں، افطار شروع ہو گیا سیویوں کے پیالے، فیرنیوں کی تشتریاں، مٹھائیوں کے ڈبے، کبابوں کے پلیٹ، حلووں کی قتلیاں۔ دودھ شہد بسکٹ ——— اے واشنگٹن تو گواہ رہیو۔ ہم نے تجھ پہ اذان دی ہے، اجتماعی نماز پڑھی ہے، اجتماعی افطار کیا ہے، اجتماعی ملاقاتیں کی ہیں۔ دعائیں کی ہیں، خوش خبریوں سے دل کو گرمایا ہے۔ بشارتوں سے روح کو سجایا ہے، امیدوں آرزوں تمناؤں کی خوشبوؤں سے زندگی کی رگ رگ کو بسایا ہے۔ ہم اس کے لئے تجھے گواہ بنا کر پیش کریں گے اُس وقت جب تجھے توڑ پھوڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا ——— ہم اس شہادت کے لئے تجھے اٹھائیں گے اور گواہی دلوائیں گے پھر مٹی بنوا دیں گے۔

دس بجے صبح نماز ہوتی تھی۔ اور قریب مسجد سے واپس ہوتے ہوتے دو بج گئے۔ دن کا کھانا ہم نے ایک پاکستانی دوست کے یہاں کھایا جو سعودی سفارت خانے میں ملازم ہیں۔ ہمیں جلدی ہرسین برگ واپس آنا تھا اور اس سرزمین پر پہلی بار میاں قاضی مظہر الحق بکرا قربان کرنے والے تھے، چار بجے واشنگٹن سے چل کر قریب مغرب ہم لوگ ہرسین برگ پہونچے کئی دن پہلے ایک بکرا خرید لیا جا چکا تھا۔ قربانی کیوں کر ہوئی یہ

www.taemeernews.com

ظاہر کرنا مناسب نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ بکرا میں نے ان کی طرف سے نیت کرکے ذبح کیا اور ماتو تمام شب بکرے کا گوشت بناتے رہے اور ایسی کامیابی سے گوشت بنایا کہ ہمارے یہاں ماہر قصاب بھی شاید نہ بنا سکے ۔۔۔ میرے اظہار حیرت پر انہوں نے کہا کہ ویٹرینری سائنس میں وہ اس کام کا بہت کامیاب مطالعہ کر چکے ہیں ۔ ۲۱ر اکتوبر کو قربانی ہوئی اور اس کا گوشت میں ۸ر دسمبر تک کھاتا رہا ــــ یعنی کھانے میں شریک رہا، خود نہیں کھایا ــــ وہاں کھانے کی ہر چیز ریفریجریٹر میں رہتی ہے۔ اور مہینوں خراب نہیں ہوتی ۔

۲ر نومبر ۱۹۷۵ء ہم سب کا قافلہ گیارہ بجے دن میں ہرسین برگ سے واشنگٹن چلا۔ طفیل صاحب کے یہاں دن کا کھانا تھا اور رشیدالدین صاحب کے یہاں جو واشنگٹن میں اردو عربی دینیات ، قرآن مجید اور تعلیمی کتابوں کے کامیاب تاجر ہیں شب کا کھانا تھا، رشید صاحب کا مکان خاصا کشادہ ہے اور مکان کے ایک کمرے میں کتابوں کا ذخیرہ ہے ۔ یہی عبادت کا کمرہ بھی ہے اور مطالعہ کا بھی ۔ میری بھانجی نے بچوں کے لئے بہت سی کتابیں اردو عربی کی خریدیں ۔ میرا واشنگٹن میں اس شب کو قیام طے پایا اور دوسرے دن شکاگو کو روانگی ۔

شب بھائی طفیل صاحب کے یہاں گذری ــ کمبل میں اندر بجلی کے مہین مہین تار بنے ہوئے تھے جن کا سوئچ اور میٹر بغل کے ٹیبل پر تھا جیسے جیسے رات کی گھڑیاں آگے بڑھتیں سردی تیز ہوتی بجلی کی حرارت میٹر کے ذریعہ تیز کیا جاتا ۔ یہ ایک کام تھا ۔ یعنی دن کو انسان جاگنے کے لئے کام

www.taemeernews.com

کرتا ہے، سفر نے کے لئے بھی کام کی ضرورت ہے ـــ اچھی زندگی نعمت بھی ہے اور زحمت بھی ـــ ایک زمانہ تھا جب واقعی زندگی نعمت بھی تھی اور زحمت بھی ـــ زحمت بہت کم تھی اور راحت بہت زیادہ ۔ کام کم آرام زیادہ ۔ کمائی تھوڑی تھی برکت بہت تھی ۔ دن گذارنے پڑتے تھے ۔ رات کاٹنی پڑتی تھی ۔ وہاں تو دن بھاگتا ہے اور رات دوڑتی ہے ۔ صبح لوگ دفتروں میں کارخانوں میں داخل ہوتے ہیں ۔ نکلتے ہیں تو شام ہوتی رہتی ہے ۔ یا رات گذرتی رہتی ہے ۔ ڈیوٹی آٹھ گھنٹے کی ہوتی ہے مگر ضرورت دو چار گھنٹے زیادہ کام کرنے پر مجبور کرتی ہے ۔ آٹھ گھنٹے کی مزدوری سے کام نہیں چلتا ۔ دس بارہ گھنٹے کی مزدوری سے کام چلایا جاتا ہے ۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا ۔ وہ بھی لوگ تھے ۔ وہ بھی کمائی تھی ، وہ بھی کھاتا تھا ۔ وہ بھی بدن تھا اور وہ بھی بدن کی طاقت تھی کہ کھجور کھاتے تھے اور اللہ کے شیر کہلاتے تھے ـــ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ۔ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور باغ کے مالک سے کہا

"مزدوری کراؤ گے"؟ ـــ "ہاں ۔ ایک ڈول پانی کوئیں سے نکالنے ایک کھجور ملے گا" ۔ ڈول کھینچنے لگے پانی نکالنے لگے اور ہر ڈول پر ایک کھجور ملنے لگا ۔ ایک مقدار کھجوروں کی ہو گئی تو دامن میں اٹھایا اور تشریف لے جانے لگے ۔

"ایں؟ ۔ کیا اب پانی نہ کھینچے گا؟

"نہیں ۔ بس اتنی کھجوریں میرے لئے میری بیوی اور میرے بچوں کیلئے کافی ہیں"

www.taemeernews.com

"حضرت! کچھ اور پانی کھینچ لیجئے۔ اب ہر ڈول پر دو۲ کھجوریں دونگا"

"نہیں جی"

"اچھا ہر ڈول پر چار۴ کھجوریں لے لیجئے"

"نہیں جی اب نہیں"

"حضرت ہر ڈول پر دس۱۰ کھجوریں دونگا"

"نہیں جی"

"اچھا بیس۲۰"

"نہیں" —— اچھا پچاس۵۰ کھجوریں؟ —— "نہیں"

اور ان چند کھجوروں میں طاقت وہ کہ اسّی من کا درِ خیبر ایک ہاتھ پر اٹھا لیا۔

—— پندرہ بیس۲۰ سال ہوئے کسی انگریز مصنف کی ایک کتاب پڑھی تھی جس کے ایک صفحے پر حضرت علیؓ کے ایک ہاتھ کی تصویر تھی اور نیچے میں دروازہ خیبر معلق اٹھا ہوا تھا اور نیچے لکھا ہوا تھا BELEIVE IT OR NOT

صبح کو بھائی طفیل صاحب بھی اپنی ڈیوٹی پر گئے اور ان کی اہلیہ جو میری عزیز ہوتی ہیں وہ بھی کسی کالج کے دفتر میں کام کرتی ہیں۔ اور بچی اسکول گئی اور میرے ذمہ تمام گھر۔ باورچی خانہ، ریفریجریٹر۔ کھانا نکالو کھاؤ۔ پکاؤ کھاؤ۔ چائے بناؤ پیو۔ چند منٹ میں سارا کام۔ بجلی کے اسٹوو پر کیتلی رکھو۔ تین منٹ میں چائے کا پانی تیار۔ ریفریجریٹر سے ڈبل روٹی نکالو۔ مکھن نکالو۔ پنیر نکالو۔ شہد نکالو گوشت یا سبزی نکالو۔ دو منٹ میں گرم کرو۔ کھاؤ۔ چائے بناؤ۔ پیو۔ ٹیلیویژن دیکھو۔ کتاب پڑھو جی میں آئے کرو پڑے رہو۔

www.taemeernews.com

دروازے سے باہر سر نکال کر دیکھو گے تو

کوچۂ یار میں سناٹا نظر آتا ہے
نہ ادھر جاتا ہے کوئی نہ ادھر آتا ہے

تین بجے ان کی بچی آئی۔ چھ بجے دونوں میاں بیوی پہونچے۔ ناشتہ ہو چکنے چلی۔ اس کے بعد ان کی اہلیہ آکر ایک طرف خاموش بیٹھ گئیں۔ ۹ بجے شب میں مجھے شکاگو روانہ ہونا تھا۔ میں نے کہا اتنا خاموش کیوں ہیں آپ کچھ فرمائیے۔ وہ خاموش۔ میں نے کہا آخر بات کیا ہے؟۔ انہوں نے ایک پرزہ میری طرف یہ کہتے ہوئے بڑھایا کہ چھ سات سال ہوئے۔ میری بہن نے پٹنہ سے یہ میرے پاس بھیجا تھا۔ اس وقت سے میں اسے حفاظت سے رکھے ہوئے ہوں کبھی کبھی نکال کر پڑھتی ہوں ـــــ میں نے دیکھا کہ واقعی کاغذ چور ہو گیا ہے۔ بحر قافیے سے تہہ کیا ہوا ہے۔ کھول کر دیکھا تو میری ایک غزل تھی جسے میں نے وزیر اعظم ہند کو مخاطب کر کے دہلی میں پڑھا تھا جس کا مطلع یہ ہے۔

وہ ستم نہ ڈھائے تو کیا کرے اُسے کیا خبر کہ وفا ہے کیا
تو اُسی کو پیار کرے ہے کیوں یہ کلیم تجھکو ہوا ہے کیا

میں مسکرایا ـــــ "کیا مطلب ہے؟" بولیں ایک گذارش ہے کہ اسے ٹیپ کرا دیجئے۔ میں نے کہا اس کے لئے اتنے اہتمام، پیسے اور ایکٹنگ کی حاجت کیا تھی۔ لائیے ٹیپ۔ میں نے وہ غزل ٹیپ کرا دی اور دیکھا کہ دیر تک ان پر کیفیت رہی۔ اور طفیل صاحب مسکرا کر بولے کہ میزبانی کی میزبانی اور غزل خوانی کی غزل خوانی ـــ یہ دن یاد رہے گا۔ اور پھر ہم لوگ تیار ہوئے اور دونوں میاں بیوی بالٹی مور ہوائی اڈے پر آئے اور جب تک جہاز نہ

www.taemeernews.com

پڑے پڑے بیٹھے رہے اور کم ازکم ایک میزبانی کی درخواست اڑکی جو میں نے کشادہ پیشانی سے قبول کی مگر افسوس کہ اس کا موقع نہیں ملا۔ اور واپسی میں ٹرف پیٹے چلتے صاحب سلامت ہو سکی۔

دوسرے راؤنڈ میں، شاید ۴ نومبر ۱۹۷۸ کو میں شکاگو پہونچا۔ کو دہاں ایک بڑے پیمانے پر مشاعرہ تھا۔ شکاگو میں ایک جگہ عمارتوں کا ایک مخصوص حلقہ ہے۔ اس حلقے میں عوامی تقریبات کے بڑے بڑے ہال ہیں۔ اور کئی ہال ہیں، کھلی ہوئی جگہیں۔ کئی فرلانگ خطہ زمین میں عمارتوں کا حلقہ پھیلا ہوا ہے۔ ایک ایک ہال میں آٹھ دس ہزار آدمی فراغت سے بیٹھ سکتے ہیں۔ انہیں میں سے کسی ایک ہال میں عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے۔ انہیں میں سے قدرے چھوٹے ہال میں ڈنر اور مشاعرہ تھا۔ تقریباً آٹھ سو مدعوئین تھے۔ پہلے کھانا ہوا پھر کچھ تقریریں ادبی سماجی مذہبی تعلیمی اور تمدنی موضوعات پر ہوئیں۔ دس بجے مشاعرہ شروع ہوا۔ شکاگو کے مختلف مقامات کے مقامی شعرا کے علاوہ ڈیٹرائٹ ٹورنٹو وغیرہ سے بھی شعرا آئے تھے۔ اور سامعین میں چند سفید فام اور سیاہ فام عیسائی نومسلم بھی تھے عموماً لباس نیم عربی تھا۔ یعنی عربی جبہ اور عبا پر گرم لمبا کوٹ اور سر پر مخمل یا سیمور کی گول ٹوپی ..... شاید اردو سے کچھ جان پہچان ہو گئی تھی تبلیغی جماعت کی معیت میں بول چال تو آ گئی تھی۔ یہ امید نہیں تھی کہ ادب اور شعر سے بھی شناسائی ہو سکتی ہے اور یقیناً نہیں ہو گی۔ مگر یہ ضرور دیکھا کہ سامعین کی داد کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی اٹھ جاتا تھا۔ اور اختتام مشاعرہ پر بعض نے خصوصیت

www.taemeernews.com

کے ساتھ مصافحہ بھی کیا اور تعریف بھی کی۔

امریکہ میں ایک ایسا مشاعرہ جس میں آٹھ نو سو سامعین شریک ہوں اور چار پانچ گھنٹہ پروگرام چلتا رہے۔ تاریخ کے عجائبات میں سے ہے۔ پروفیسر عابد اللہ غازی جو حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نواسے ہیں اور جدہ یونیورسٹی کی طرف سے شکاگو میں تحقیقاتی کام کر رہے ہیں۔ علی گڈھ اسٹوڈنٹس یونین کے صدر رہ چکے ہیں، اچھے شاعر ہیں اور بہت اچھے شاعر ہیں مشاعرہ کی نظامت کر رہے تھے۔ مشاعرہ خوب جم کر تقریباً چار گھنٹے چلا دو بجے کے قریب محفل برخواست ہوئی۔

کچھ شعرا کے نام مجھے یاد رہ سکے۔ تقریباً اتنے ہی اور تھے

(۱) جناب سعید حیدرآبادی۔ بھاری بھرکم شاعر ہیں آواز بلند اور بہت اچھا ترنم ہے، کلام دلپسند یہ شکاگو ہی میں مقیم ہیں اور کسی اچھے عہدے پر ہیں۔

(۲) جناب حافظ اشتیاق۔ ان کا ذکر آچکا ہے یہ ٹورنٹو میں بزنس کرتے ہیں۔ کلام سادہ اور دلنشیں نرم ترنم اور سنجیدہ لہجہ۔

(۳) جناب جوش یہ بھی ٹورنٹو سے آئے تھے۔ غالباً پاکستانی ہیں سن رسیدہ ہیں۔ سارا خاندان یہیں مقیم ہے۔ یہ بھی ریٹائرمنٹ کے بعد بچوں کے ساتھ ٹورنٹو ہی میں آکر رہ گئے ہیں۔ کلام بہت سوچ سمجھ کر کہتے ہیں اور پروقار ترنم کے ساتھ پڑھتے ہیں،

(۴) امجد انصاری۔ شکاگو سے ڈھائی تین سو میل پر ڈیٹرائٹ میں رہتے ہیں اور جب تک میں شکاگو میں رہا۔ تقریباً ہر نشست میں ڈیٹرائٹ

www.taemeernews.com

سے اپنی کار پر آتے رہے۔ انجینیر ہیں، بہت صاحب ذوق ہیں، شعر خوب کہتے ہیں مگر پڑھنے کا شوق نہیں ہے۔ اصرار پہ مختصر کلام سناتے ہیں۔ کلام پہ فکری عنصر غالب ہے۔ عموماً تحت پڑھتے ہیں۔ زیادہ چھیڑیے تو ہلکا ترنم استعمال کرتے ہیں۔

(۵) افضل امام۔ کبھی افضل تخلص کرتے ہیں کبھی امام۔ ان کا ذکر بھی آچکا ہے ٹورنٹو میں انجینیر ہیں مجھے امریکہ بلوانے کے محرکوں میں سب سے آگے رہے ہیں دس بارہ سال سے غزل کہتے ہیں۔ کلام میں ماحول پر گہری تنقید رہتی ہے۔ مگر تغزل کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ آواز بہت اچھی ہے اور امریکہ اور کناڈا میں غالباً سب سے اچھا پڑھنے والے یہی ہیں۔

(۶) راشد شکاگو میں قیام ہے کسی اچھے عہدے ہیں۔ بہت طبیعت دار ہیں۔ اور کلام مزیدار ہے ترنم سے پڑھتے ہیں اور اچھا پڑھتے ہیں۔ کلاسکل رنگ غالب ہے۔ بہت سنجیدہ اور خاموش خاموش رہتے ہیں۔

(۷) ڈاکٹر پروفیسر چودھری نعیم الدین — شکاگو یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر ہیں۔ کہنہ مشق اور بہت سنجیدہ ہیں۔ غزلیں اور نظمیں دونوں کہتے ہیں ترقی پسند ہیں کلام میں پختگی اور جانداری ہے۔ نظمیں اور بھی اچھی کہتے ہیں۔ موضوعات میں کوئی تنوع تو نہیں مگر انداز بیان میں تیکھاپن رہتا ہے۔

(۸) ڈاکٹر فخری صاحب۔ پورا نام مجھے معلوم نہیں میں نے پوچھا بھی نہیں انہوں نے بتایا بھی نہیں اس کی ضرورت آئی بھی نہیں سب انہیں فخری صاحب کہتے ہیں اور یہ تعارف کافی ہے — سائنس کے پروفیسر ہیں اور اپنے

www.taemeernews.com

پیشہ میں کامیاب ہیں، اور معزز ہیں۔ بہت ہنس مکھ، خوش مزاج اور حاضر جواب ہیں اور منکسر مزاج خوش اخلاق اور مخلص ہیں۔ شعر کم کہتے ہیں اور کم پڑھتے ہیں، سخن فہم سخن شناس اور با ذوق ہیں اگر شعر کہتے ہیں تو سنجیدگی میں گہرا مزاح پیدا کرتے ہیں۔ اور محفل پر چھا جاتے ہیں۔

(۹) ڈاکٹر عابد اللہ غازی۔ تعارف پہلے آچکا ہے۔ سو فیصد شاعر معلوم بھی ہوتے ہیں، دبلا پتلا چھریرا بدن الجھے بال بے تکلف لباس، مگر وضعدار اور خوش پوش۔ کلام بہت پر مغز۔ جدید رنگ و آہنگ سے آراستہ، اپنے عہد کے حالات سے باخبر۔ تقاضوں سے آشنا، نفسیات سے واقف۔ غزلیں بھی کہتے ہیں، نظمیں بھی، موضوعات میں تنوع رہتا ہے۔ اور ہر حال میں ان کی شاعری زندگی کا تجزیہ اور تنقید ہوتی ہے۔ تحت اللفظ پڑھتے ہیں اور کامیاب رہتے ہیں۔

اس مشاعرہ کے بعد۔ دس پندرہ روز تک تقریباً ہر روز کبھی کبھی ایک دو روز کے وقفے سے مشاعرے کی مخصوص نشستیں شکاگو کے مختلف حلقوں میں رہیں۔ ڈاکٹر خورشید عالم ملک جو شکاگو کے جنوبی حصے کی حد پر رہتے ہیں۔ ان کے مکان سے شکاگو کی انتہائی شمالی سرحد تک، ہندستان اور پاکستان کے دیندار اہل ذوق پھیلے ہوئے ہیں یہ مسافت تقریباً پچاس میل ہے ـــــ تقریباً درمیان راہ میں پروفیسر اسد حسین ہیں، جو یونیورسٹی کے شعبۂ پالٹکس کے استاد ہیں، مجھے اپنے شعبہ میں لے گئے، کالج کے اہم مقامات کا تفصیلی معائنہ اور تعارف ان کے ذریعہ ہوا۔ ہر بڑے کلاس میں مائکروفون لگا ہوا ہے لیکن بڑے کلاس کم ہی

www.taemeernews.com

ہوتے ہیں۔ عموماً طلبا کو چھوٹے چھوٹے سیکشن میں تقسیم کر دیا جاتا ہے تاکہ استاد اور شاگردوں کے درمیان گہرا رابطہ رہے۔ اسد حسین صاحب کے یہاں شعری نشست میں گھریلو انداز تھا۔ کچھ دیر شعر و شاعری، کچھ دیر باتیں، پھر کچھ دیر چائے ناشتہ پھر کچھ دیر شعر و سخن، پھر کھانا۔ وقت زیادہ گذرا مگر معلوم نہ ہوا، ڈاکٹر اختر حسین صاحب کے یہاں کھانا پر تکلف اور کھانے میں بہاری پن زیادہ نمایاں تھا۔ جس نے شرکائے مجلس کو بہت محظوظ کیا، کھانے کے تکلفات کی وجہ کر شعری نشست تاخیر سے شروع ہوئی اور تاخیر سے ختم ہوئی۔ لیکن وہاں دیر سویر کا کوئی اثر نہیں کوئی "بے کار نہیں" ہر نشست میں کاریں دور تک پارک نظر آئیں نشست دو بجے بھی ختم ہو تو ایک گھنٹے بعد سب اپنے اپنے گھر پہنچ جاتے۔

شکاگو میں مسجدیں بھی ہیں۔ اور اکثر علاقوں میں بڑے بڑے کمرے کرائے پر حاصل کر لئے گئے ہیں جہاں نماز با جماعت ہوتی ہے خالص دفتری علاقوں میں بھی جہاں رہائش گاہیں نہیں ہیں۔ ظہر اور عصر کی نمازوں کے لئے فلیٹ نما مسجدیں ہیں۔ ان میں استنجہ خانے غسل خانے وضو خانے سب ہیں جماعت کی نماز صرف ظہر اور عصر میں ہوتی ہے۔ مقتدی دفاتر میں کام کرنے والے آفیسر، انجنیر اور ڈاکٹر وغیرہ ہوتے ہیں انہیں میں کا کوئی امام ہوتا ہے اور موذن بھی۔ مقتدیوں میں تینوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں، اپٹوڈیٹ مسلم وہ حضرات جو دینی تحریکات سے وابستہ ہیں جماعت اسلامی یا تبلیغی تحریک۔ تینوں قسم کے مقتدی بہ یک نظر شناخت میں آجاتے ہیں، مگر تینوں میں کوئی دوری نہیں سب ایک دوسرے کے مخلص ایک دوسرے کے ہمدرد معاون اور شریک کار۔

شکاگو کی جامع مسجد۔ وہاں کی مسلم کمیونیٹی سنٹر کے ماتحت ہے۔ انہیں

www.taemeernews.com

ترقی پسند مسلمان کہہ لیجئے یہ عقیدۃً راسخ العقیدہ مسلمان ہیں۔ مگر اسلام کو بھی ایک تحریک ہی سمجھتے ہیں اور اعمال سے زیادہ سیاست میں انہماک ہے۔ اور شعار اسلامی کی طرف توجہ خاص نہیں ہے۔ میں نے شاید تین جمعہ کی نمازیں اس مسجد میں پڑھیں یہ ایک بہت بڑا ہال ہے جسے نماز گاہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے کمرے ہیں۔ کسی کا مصرف لائبریری کا کوئی آفس ہے، کوئی کانفرنس روم ہے۔ ہال میں پانچ سو آدمی سے زیادہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پوری مسجد میں قالین ہے صف کا نشان بنا ہوا ہے۔ لکڑی کا ممبر ہے۔ اور ممبر کے بغل میں سینے تک اونچا ایک ڈیسک ہے، جو خطبہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، خطبہ ممبر پر نہیں ہوتا۔ صرف اذان کے وقت امام ممبر پر بیٹھتا ہے، خطبہ الگ اسی ڈیسک کے سامنے کھڑے ہو کر دیتا ہے۔ خطبہ بھی مسنون نہیں، عموماً ملکی اور بین الاقوامی مسلم سیاست خطبہ کا موضوع ہوتا ہے شروع میں اواخر میں مختصر سی آیت یا آیات پڑھی جاتی ہیں، خطبہ ہمیشہ انگریزی میں ہوتا ہے امام سوٹ پر ایک گاؤن پہن لیتا ہے۔ آخر کی دو صفوں میں مستورات ہوتی ہیں جن کا لباس مغربی بھی ہوتا ہے اور مشرقی بھی۔ سر سے ٹخنے سے اوپر تک سفید کپڑے کا کوٹ نما کوئی لباس پہن لیا جاتا ہے۔

اس کے ممبروں میں جماعت اسلامی کے احباب بھی ہیں۔ ان کا پورا دینی علم مولانائے مرحوم کی تصنیفات تک محدود ہے۔ مگر بہت مخلص اور کشادہ دل ہیں۔ کمیونٹی سنٹر کے سکریٹری امجد ہاشمی صاحب حیدرآبادی نے ایک جمعہ میں گفتگو کے لئے مجھ سے بہت اصرار کے ساتھ وعدہ لیا۔ یہاں کا پروگرام ایک ماہ کا طے ہو کر طبع ہو جاتا ہے اور تمام ممبروں میں پمفلٹ کی طرح تقسیم ہو جاتا ہے امام

www.taemeernews.com

کون ہوگا، تفسیر کون بیان کرے گا، آخر میں گفتگو کس کی ہوگی۔ یہ نظام بعد نماز جمعہ چلتا ہے، ہر ماہ کے آخر میں آئندہ ماہ کے چار یا پانچ جمعہ تک کا نظام طے ہو کر چھپ جاتا ہے۔ ٹسکاگو کے دوسرے سفر میں ایک جمعہ مری گفتگو تھی میں اس کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ مگر احباب نے بہت ضد کیا۔ میں نے تقریباً پینتیس ۳۵ منٹ بات چیت کی۔ مجمع میں ایسے لوگ بھی خاصے تعداد میں ہوتے ہیں جو اردو پوری نہیں سمجھتے۔ عربی سمجھتے ہیں یا انگریزی۔ اس دن تفسیر ایک یمنی جوان کی تھی۔ جس نے امریکہ سے لائبریری سائنس کی ڈگری لی ہے۔ ان کی تفسیر عربی میں بیس ۲۰ پچیس ۲۵ منٹ ہوئی۔ پھر میں نے بات چیت کی اور جا بجا اشعار کے حوالے دئے۔ اس کے بعد انگریزی میں گفتگو کا ترجمہ ہوا مگر اشعار کے ترجمے سے انہوں نے معذرت کی۔ دعا کے بعد اس عربی جوان نے مجھ سے مصافحہ کیا اور انگریزی میں کہا کہ میں نے اشعار کے معنی نہیں سمجھے مگر لطف آیا اور اثر ہوا۔ اسی شام کو ہم اور وہ یمنی جوان ایک جگہ کھانے پر مدعو تھے۔ اس نے پھر اشعار کی بات چھیڑی اور ان کی تاثیر کا ذکر کرتا رہا بالخصوص اقبال کے اشعار کی۔

میری مختصر گفتگو کا موضوع ہی تھا کہ اسلام کوئی پارٹی نہیں ہے بلکہ یہ مخصوص آئین حیات اور طریقۂ زندگی کا نام ہے جو انسان کے ظاہر اور باطنی دونوں سے متعلق ہے اس مخصوص آئین حیات اور طریقۂ زندگی سے افراد کا ایک کردار بنتا ہے جن کے مجموعے سے جماعت تیار ہوتی ہے اور معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ میں نے اقبال کی نظم مسجد قرطبہ کا یہ بند پڑھا اور اسی کی روشنی میں گفتگو کی۔

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز — اس کے دنوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز
اس کا خیال عظیم اس کا مقام بلند — اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

www.taemeernews.com

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں کارکشا کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی تمنا قلیل اس کے مقاصد جمیل — اس کی نگہ دلفریب اس کی ادا دل نواز

گرم دم جستجو نرم دم گفتگو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

جیسا کہ میں نے اس سفرنامے کے آغاز میں کہیں عرض کیا ہے کہ پچاس سال پہلے اس دنیا کی اقتصادی معاشرتی، سیاسی تہذیبی تمدنی اور بڑی حد تک مذہبی امامت اور امارت برطانیہ کو حاصل تھی جس کے قلمرو میں آفتاب کبھی غروب ہی نہیں ہوتا تھا اور تمام روشنیاں تمام رعنائیاں رنگینیاں اسی سرچشمے سے پھوٹتی تھیں اور تمام خوشبوئیں اور نکہتیں یہیں سے تقسیم ہوتی تھیں وقار اور عظمت سرداری اور سربلندی یہیں سے عطا ہوتی تھی۔ معیار اور منہاج یہیں کا تھا پرکھ اور کسوٹی یہیں کی مانی جاتی تھی۔ سند اور شہادتیں، دلیلیں اور حوالے یہیں کے تسلیم کئے جاتے تھے۔ آنکھیں ادھر ہی اٹھتی تھیں، قدم ادھر ہی چلتے تھے، رسم اور رواج یہیں کے اپنائے جاتے تھے فیصلے یہیں کے مانے جاتے تھے۔ دل یہیں جھکتے تھے، سر یہیں خم ہوتے تھے بڑائیاں اور بزرگیاں یہیں تھیں، آدمیت اور انسانیت یہیں کے پھول پھل تھے عادات و اطوار میں یہیں کی پیروی کی جاتی تھی۔ رفتار و گفتار میں یہیں کی نقل اتاری جاتی تھی۔

گذشتہ چالیس پچاس سال کے اندر انگلینڈ کا بازار ٹھنڈا ہو گیا اور تمام دکانیں اٹھ کر امریکہ چلی آئیں اور امارت اور امامت بجنسہ لندن سے نیویارک اور واشنگٹن (USA) منتقل ہو گئی۔ اب میدانِ انگلینڈ کہیں نظر نہیں آتا۔ میدان تو اس کے لئے

www.taemeernews.com

سامان ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ چنانچہ امریکہ کا یہ سفر ایک ایسے موقع سے بھی گذرا جب امریکہ کی تمدنی اور تہذیبی ٹھیکیداری کا پردہ بیچ بازار میں چاک ہو گیا دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ اصل کیا ہے اور نقل کیا ہے، حقیقت کیا ہے اور ایکٹنگ کیا ہے۔ روپ کیا ہے بہروپ کیا ہے۔

مجھے ویسے بھی لکھنے کی عادت کم ہے یعنی یادداشتیں کبھی قلمبند نہیں کرتا۔ سچ پوچھئے تو منظم اور مرتب زندگی سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں اور کسی قدر میرے لئے یہ مناسب اور موزوں بھی رہا ورنہ میں بھی واقعات کی کھتونی کو سب کچھ سمجھ لیتا۔ بہر حال اچھا ہو یا بُرا حقیقت یہی ہے، ورنہ جو کچھ لکھنے والا ہوں وہ تاریخ وار لکھتا افسوس ہے کہ اب یہ بس سے باہر ہے۔

میں غالباً ستمبر کی آخری تاریخوں میں امریکہ پہونچا۔ ٹیلویژن تو وہاں سب سے اہم شریک زندگی ہے، بلکہ یہی سرچشمۂ حیات ہے۔ اگر دو چار دن بھی اس سے رشتہ ٹوٹ جائے تو امریکہ کی آبادی آدھا پاگل ہو جائے۔ اور اکثر کے پیرہن چاک ہو جائیں چہروں پہ دحشت برسنے لگے۔ دلوں میں ہیجان پیدا ہو جائے اور وہاں کی انفرادی اور اجتماعی، گھریلو اور بازاری زندگی کا بیشتر حصہ تخر بخر ہو جائے، ٹیلویژن اب زندگی کا ایک جزو ہے، سانس کا اہم حصہ ہے اور دلوں کی صحت مند دھڑکن کا ایک ناگزیر سامان ہے، خدا جانے آئندہ اس کی کیا حیثیت ہونے والی ہے۔

تو شاید اکتوبر کا چوتھا ہفتہ شروع ہو رہا تھا۔ میں جہاں اس وقت قیام پذیر تھا۔ غالباً برادرم ڈاکٹر خورشید ملک کے یہاں۔ بچے تو ہر وقت ٹیلویژن دیکھا کرتے تھے۔ خبروں کے اہم اوقات میں ڈاکٹر صاحب بھی بیٹھ جاتے تھے۔

www.taemeernews.com

میں عموماً مطالعہ میں مشغول ہو جاتا تھا۔ ایسا ہی کوئی دن تھا یا شام تھی ـــــ ڈاکٹر صاحب ٹیلیویژن دیکھ رہے تھے ـــ کہ شاہ ایران کا نام ان کی زبان پر آیا۔ مجھے بادشاہوں سے مطلب کم ہی رہا ہے۔ فقیروں سے دلچسپی زیادہ رہی ہے۔ لیکن شاہ ایران موجودہ تاریخ میں شاہ فاروق والیٔ مصر کی طرح بادشاہ ہوں اور فقیروں کے درمیان کی اہم کڑی رہا ہے یعنی بادشاہت کے لئے دوسروں کو فقیر بنانے میں بڑی مہارت انہیں حاصل رہی ہے۔ پھر خدا نے تاریخ کا ایسا رخ موڑا کہ ایک فقیر نے اس بادشاہ کا تاج و تخت چھین کر فقیروں میں تقسیم کر دیا۔ ـــ میری نگاہ اٹھ گئی کہ اس بے تاج کے بادشاہ کو اب دیکھوں کیسا لگتا ہے۔ دیکھا تو ایسا لگا کہ ہز مجسٹی ظاہر شاہ تاج ہی کا نام تھا انسان کا نہیں ـــ حالانکہ ایسا ہے کہ بادشاہوں سے تاج کی اہمیت بڑھ گئی ہے ـــ جیسے شہنشاہ اورنگ زیب۔ کہ جب وہ تاج اتار دیتے تھے تو زیادہ حسین اور باوقار لگتے تھے ـــ اور ایسا بھی سنا ہے کہ بے تاج کے بادشاہوں کے سامنے تاجداروں کی عظمت اور وقار گر جاتے تھے۔ جیسے حضرت سیدنا عمر فاروقؓ ـــ لیکن ایسا لگا کہ سامنے ہز مجسٹی ظاہر شاہ اور ملکہ فرح دیبا نہیں ہیں بلکہ سوٹر پر گرم کوٹ اور فراک پر سوٹر پہنے ہوئے امریکہ یا انگلینڈ کا کوئی قلی اور جھاڑو کش ہے۔ جسے کئی دنوں سے مزدوری نہیں ملی ہو اور چہرہ فاقہ کی غمازی کر رہا ہو ـــ بہرحال شاہ ایران بغرض علاج نیویارک تشریف لائے تھے ـــ ان کا سامان کاروں سے اتر کر نیویارک کے سب سے اہم اور شہر آفاق اسپتال میں منتقل ہو رہا تھا ـــ صدر کارٹر ان کے استقبال کو حاضر تھے ـــ دونوں شانہ بشانہ کھڑے تھے۔ کیمرے کھنک رہے تھے۔ کیمروں کے بلب چمک رہے تھے ـــ بس یہی کھنک اور چمک بتا رہی تھی کہ

www.taemeernews.com

آپ ہیں ہز مجسٹی ظاہر شاہ ورنہ لوگ وہی سمجھتے جو ہم کہہ رہے ہیں۔
بہرحال تو بات ہوگئی۔ صبح ہوئی۔ دن گذرا۔ شام ہوئی۔ اور شاید شام ہوتے ہی دھماکہ ہوا، جس نے پورے براعظم امریکہ کو ہلا دیا۔ اور ایسا لگا کہ ایران کے غریبوں کی چیخ پٹرول بن کر امریکہ کے سمندروں میں اتر گئی۔ اور سارا سمندر ہیجان میں آگیا۔ ایران کے چند مجاہدوں نے امریکی سفارت خانہ طہران پر قبضہ کرلیا۔ اور اہل سفارت خانہ کو قید کرلیا۔ امریکہ اور امریکن کو ایسا لگا جیسے ماما نے مالکن کو ڈانٹ دیا۔ شوفر نے صدر کو چانٹا رسید کر دیا۔ صدر کا چہرہ سرخ، امریکہ اور امریکن کا چہرہ گلنار۔ پھر جو ٹیلی ویژن پر دنیا امڈی ہے تو لوگ کھانا بھول گئے۔ آنا جانا بھول گئے۔ سب نغمہ سب ترانا بھول گئے۔ اور میں نے بھی۔ کتاب کی جدا۔ احتساب رکھا الگ۔ شاعری کی فراموش۔ توبہ توڑ کر ٹیلیویژن سے رشتہ جوڑ لیا۔ اور دو تین ہفتہ میں نے امریکہ کو دیکھا کہ اس کا تہذیبی پیرہن چاک چاک ہوگیا، تمدنی قبا تار تار ہوگئی۔ سرخی غازہ کا لیپ ڈھل گیا۔ اور کالا کلوٹا ننگا کھلا امریکہ سامنے تھا۔

دیکھا کہ ایرانی طالب العلموں کو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں پیٹا جا رہا ہے۔ دس دس بیس بیس مل کر ایک ایک کو نوچ رہے ہیں چھیڑ رہے ہیں، ادھیڑ رہے ہیں۔ پیٹ رہے ہیں، گھسیٹ رہے ہیں۔ اور مکے کھا کر ٹھوکریں کھا کر۔ زمین پر گھسٹ کر ایرانی لڑکوں کا چہرہ عزم وارادے سے چمک رہا ہے۔ سنجیدگی اور وقار سے دمک رہا ہے انسانیت کا نور ان کے چہرے پر ہے۔ صداقت کا سرور ان کے بشرے پر ہے۔ جب وہ اپنے ٹوٹے ہوئے جسموں دکھتے ہوئے بدنوں۔ زخمی ہونٹوں کے درمیان سے بولتے ہیں۔ تو بھروسے

www.taemeernews.com

اور اعتماد سے ان کی آواز میں ایک گونج پیدا ہو جاتی ہے ایک ناقابل شکست یقین کا چشمہ ان کے لہجے سے پھوٹ پڑتا ہے ـــــ وہ بہت کم بولتے ہیں. لیکن جو کچھ بول دیتے ہیں وہ پتھر کی لکیر بن کر سننے والوں کے دلوں پر جم جاتا ہے۔ ـــــ مجھے ایرانی طلبا اور طالبات کا ردعمل ۔ امریکی تہذیبی علمبردار طالب العلموں کے مظالم کے خلاف۔ ہمالیہ سے زیادہ پرشکوہ اور پرجلال نظر آیا۔

پھر دیکھا کہ ٹیلیویژن پر خبروں کا تین چوتھائی حصہ۔ ایران، ایرانیوں، وہاں کے مجاہدوں، اور ان مجاہدین کے سرخیل علامہ خمینی سے متعلق ہے۔ ہر پانچ منٹ بعد ایران ٹیلیویژن کے پردے پر ہے۔ ایران، خمینی اور ایران کے نوجوان لڑکے امریکہ پر بھوت بن کر سوار ہو گئے، آسیب بن کر جم گئے ہیں۔ سب خبریں ان خبروں کے آگے ماند۔ تمام پروگرام اس پروگرام پر غالب کبھی دیکھئے تو ایران کی سڑکوں پر بوڑھوں کا جوانوں کا، نوجوانوں کا، عورتوں کا، لڑکیوں کا، بچوں کا بچیوں کا ـــــ سر سے کفن لپٹے دامن سمیٹے۔ امنڈتا ہوا جلوس، آنکھیں کبھی زمین پر کبھی آسمان پر، جیسے خدا کی تائید کو دعوت دی جا رہی ہو اور بھروسہ کا اظہار کیا جا رہا ہو اور اس تائید خداوندی کے ظہور کا یقین کامل ہو۔ اسی یقین کامل کا چہرے پر نور۔ خدوخال سے عزم کی بلندی نمایاں۔ جیسے کچھ کر جانے کا ارادہ ہو اور اسی ارادے سے نکل پڑے ہوں، زبانوں پر نعرۂ تکبیر ـــــ ہم لوگ ٹیلیویژن پر یہ منظر دیکھکر سینے کے اندر گرمی سی محسوس کرتے اور بدن پر کچھ سرسراہٹ محسوس ہوتی۔ بالوں کے کھڑے ہونے کی سرسراہٹ۔ آنکھیں گرم ہو جاتیں اور گرم گرم پانی جیسی کوئی چیز دیدوں پر پھیل جاتی۔ اور آنکھوں کے گوشوں میں جم کر ڈھلکنے پر آمادہ ہو جاتی۔

www.taemeernews.com

بنی صدر ۔ وزیر خارجہ ایران کو عموماً ٹیلیویژن پر یوں دیکھا جیسے ہندستانی معاشرے کا کوئی نوشہ سسرال میں شادی کے بعد پہلی مرتبہ دسہرہ کھانے کو آیا ہو، شرمایا شرمایا سا۔ محجوب محجوب سا۔ ٹیلیویژن پر سوالات کا بہت ہلکے لہجے میں جواب نگاہیں نیچی۔ ہونٹوں پر غائت سنجیدگی لیکن نگاہوں میں بڑی شوخ چمک۔

مجھے ہمیشہ انسانوں سے حسن ظن رہا ہے اس کی خمیر کی پاکیزگی اس بات کی ضمانت ہے کہ انسان سے ہمیشہ حسن ظن رکھا جائے۔ یہ گرتا ہے لیکن پھر تیزی سے اٹھتا ہے۔ اٹھنا اور اندھیرے سے نکلنا اس کی سرشت میں ہے کبھی کبھی وہ اٹھ نہیں پاتا ہے اور اندھیرے سے نکل نہیں پاتا ہے ایسی صورت میں عام انسانوں کا حسن ظن ایسے انسان کی مدد کرتا ہے اس طرح اندھیرے سے اور پستی سے وہ انسان نکل آتا ہے اسی نوعیت کا حسن ظن مجھے اور تمام مسلمانوں کو آیت اللہ خمینی صاحب سے امریکہ میں نظر آیا۔ ہر مجلس میں ایران اور خمینی کی بات نکلتی اور بات کرتے ہوئے فخر اور انبساط، ایمان اور اعتماد سے مسلمانوں کا چہرہ کھل جاتا، امریکہ اور کناڈا میں کوئی مسلمان خمینی کے خلاف سننے کو آمادہ نہیں۔ یہ حسن ظن بلا وجہ نہیں پیدا ہوتا ہے۔ خدا کو کچھ منظور ہوتا ہے۔

ٹیلیویژن پر صبح سات بجے سے گیارہ بارہ بجے شب تک کبھی دو بجے تک ایران تھوڑے تھوڑے وقفے سے آجاتا اس وقت اہل امریکہ کے لئے بھی مرغوب موضوع ایران، آیت اللہ خمینی اور امریکن یرغمالی تھے پورے ملک میں عجب تشنج کا عالم تھا۔ حکومت کی پوری مشینری یکسو ہو کر اسی مسئلے کے حل میں ہر ممکن صورت اور ذریعہ استعمال کرنا چاہتی تھی لیکن بے بس اور

www.taemeernews.com

بے اختیار نظر آتی تھی ـــــ امریکہ میں اُس وقت صدارت کے انتخاب کی بڑی ہما ہمی اور گرما گرمی تھی۔ لیکن اِس گرما گرمی کو ایران کے واقعے نے سرد کر دیا تھا، اور امریکہ کے عوام اور خواص گویا بوکھلا گئے تھے، ـــــ اسی دوران قطب زادہ ایران کے وزیر خارجہ ہو گئے، ـــــ بنی صدر جتنے شرمیلے تھے۔ قطب زادہ اسی قدر بے باک ۔ وہ ہر انٹرویو لینے والے کو بشاشت سے اجازت دیتے اور سخت سے سخت سوال کا جواب ایسے تبسم اور خندہ پیشانی سے دیتے کہ امریکن جرنلسٹ اندر ہی اندر غصہ سے بل کھا جاتا ۔

کبھی کبھی آیت اللہ خمینی صاحب بھی ٹیلیویژن پر آجاتے ۔ اپنے ملک ایران کے چھوٹے شہر قم میں ان کی رہائش گاہ ایک منزلہ عمارت تھی۔ جو دور سے بیرک کی طرح نظر آتی ۔ لمبی اور پست ، اور پوری عمارت میں صرف چھت پر ایک تنہا طالب العلم ہاتھ میں رائفل، سر پر ٹوپی ۔ چہرے پر مسکراہٹ ۔ آیت اللہ خمینی کا باڈی گارڈ تھا اس مکان کے ایک کمرے میں زمین پر فرش بچھائے آیت اللہ خمینی ایران کا تنہا انقلابی پیر مرد، اپنی سیاہ عبا سیاہ عمامے میں دوزانو بیٹھا نظر آتا ۔ نگاہیں نیچی، ہونٹوں کو خفیف سی حرکت ـــــ بڑے سے بڑے طویل سوال کا جواب چند لفظوں میں نہایت مہین آواز سے دیکر۔ بدستور خاموش ہو کر سر جھکا لیتے ـــــ کبھی کبھی سامنے ان کا کھانا ہوتا، معمولی شوربہ اور چپاتی یا کھچڑی ـــــ اسی مختصر اور معمولی کھانے پر سب کو دعوت دیتے تھے ۔ امریکہ سے جانے والے معزز مہمانوں کی ضیافت بھی اسی فقیری کھانے سے کرتے ۔

ایران کی خاموش مگر فیصلہ کن تحریک ایک بجلی تھی جو تمام عالم کی رگوں میں

www.taemeernews.com

تیزی سے دوڑ گئی۔ مخالف اور موافق دونوں متاثر تھے۔ موافق دعاؤں میں مشغول تھے اور مخالف غصہ کے اظہار میں۔ یہ اظہار زبانوں سے بھی تھا اور عملوں سے بھی۔ امریکہ میں مقیم ایرانی طلبہ اور طالبات پر ہر نوعیت کی سختیاں اور مظالم تھے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انہیں ذلیل کیا جاتا پیٹا جاتا ان سے مراعات غصب کر لئے جاتے۔ اور انہیں بے یار و مددگار کر کے امریکہ بدر کرنے کی تقریریں اور تجویزیں گونج رہی تھیں۔ میں جس وقت شکاگو میں تھا تہذیب کی اونچی بلندی پر رہنے والے۔ تمام دنیا کے دوسرے باشندوں کو غیر مہذب سمجھنے والے شکاگو میں وہ حرکتیں کر رہے ہیں۔ جو ہندستان میں اکثریتی طبقہ اقلیتوں کے ساتھ کر بیٹھتا ہے۔ مری موجودگی میں شکاگو شہر میں مسلمانوں کی دوکانیں لوٹی گئیں جلائی گئیں، مسجدوں پر حملے کئے گئے، مسجدیں جلائی گئیں یا جلانے کی کوشش کی گئی۔

اور ایک شام پورا امریکہ طیش کی انتہا کو پہونچا۔ حکومت کے ہوا خواہ اور نقاد۔ صدر کارٹر کے موافق اور مخالف سب یک زبان ہو کر صدر کارٹر کے ہم زبان ہو گئے کہ کل ایران کو جلا دو، بھون دو، برباد کر دو مسمار کر دو اور ایران والوں کو ننگا اور بھوکا کر کے عالم میں منتشر کر دو اور ہم لوگوں کے دل لرزنے لگے کہ کل صبح صفحہ عالم پر ایران رہے گا یا نہیں۔ اس کی عمارتیں ملبہ ہو جائیں گی۔ باغ آتش کدے بن جائیں گے۔ سڑکیں غاروں اور خندقوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور ایرانی چیتھڑے چیتھڑے ہو کر خاک اور خون میں شرابور ہو جائیں گے۔ دل لرز رہے تھے، آنکھیں نمناک ہو رہی تھیں۔ زبانوں پر اللہ اللہ تھا۔ لیکن صبح ہوئی۔ اور اس وقت سے کتنی صبحیں آئیں اور آ رہی ہیں۔ ایران اسی تیور اسی اعتماد اسی حوصلے اور اسی باطنی جوش کے ساتھ الحمد اللہ زندہ ہے اور زندہ رہے گا انشاء اللہ۔

www.taemeernews.com

یہ دنیا جسے ہم اور آپ چلاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہم کٹ پتلیاں ہیں ۔ چلا کوئی اور رہا ہے ۔ کٹ پتلیاں کیا جانیں کہ قدم کہاں ہے نظر کہاں ہاں کچھ جاندار بھی ہوتے ہیں۔ جو نچانے والے کے ہم راز ہوتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں

تو شب آفریدی چراغ آفریدم سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیابان و گلزار و باغ آفریدم

تو سب تو ڑا ہی چراغ اور ایاغ بناتے ہیں۔ خیابان و گلزار و باغ سب کہاں بناتے ہیں ۔ کچھ ٹھیکدار ہوتے ہیں ۔ کچھ انجنیئر ہوتے ہیں کچھ مزدور ہوتے ہیں مزدور گارا مٹی بناتا ہے ۔ انجنیئر نقشہ بناتا ہے ٹھیکدار منصوبہ بناتا ہے۔ سب سے جو اوپر ہوتا ہے منصوبہ اور نقشہ اور گارا مٹی کا تصور دیتا ہے ۔ ایرانی انقلاب کے لئے ایران والوں نے گارا مٹی بنایا ۔۔۔ بنی صدر قطب زادہ وغیرہ نے نقشہ بنایا۔ علامہ خمینی نے منصوبہ بنایا خدا نے تصور دیا ۔۔۔ اب ہم یہ کیا جانیں کہ آئندہ کیا نقشہ بنے گا ۔۔۔ اور کیا منصوبہ بنا ہوا ہے۔ نقشہ بنی صدر کے پاس ہوگا منصوبہ خمینی صاحب کے پاس اور تصور اللہ کے پاس ۔۔ لیکن مزدور بھی کچھ اوپر کی بات سوچ ہی لیتا ہے ، اور نقشہ کا کچھ نہ کچھ خاکہ سمجھ ہی لیتا ہے ، اور انجنیئر صاحب کچھ نہ کچھ منصوبہ جان ہی لیتے ہیں ۔ اور ٹھیکدار صاحب بھی سرکار کا منشا کچھ پہچان ہی لیتے ہیں ۔۔ بنی صدر صاحب علامہ خمینی کا منصوبہ کچھ سمجھ ہی رہے ہیں اور خمینی صاحب اللہ میاں کا اشارا بھی سمجھ ہی رہے ہوں گے ۔۔۔۔ لہٰذا اسی قرینہ بہ قرینہ اور پردہ بہ پردہ جان پہچان کی بنیاد پر ہم بھی یہ تو کہہ ہی سکتے ہیں کہ یہ انقلاب گرچہ ایک چھوٹے سے ملک میں آیا ہے لیکن یہ انقلاب اس نوعیت کا

www.taemeernews.com

ہے جس نے صدیوں کے ایک عالمگیر غلط تصور کو الٹ دیا۔ سامان، طاقت، حکومت وسائل کا جادو جو صدیوں سے انسانی ذہن پر چھایا ہوا تھا اور چھایا تھا وہ جھنجھوڑ دیا گیا۔ خدا کی طاقت کیا ہے — اور خدا کی طاقت کا مظاہرہ ایک سیدھے سادے پیر مرد کی سادہ صورت، سادہ زندگی، سادہ زبان، سادہ طرز انداز اور سادہ بات چیت کے پردہ میں اس طرح ہوا ہے کہ دلوں کا اعتماد بدل گیا — امریکہ میں رہنے والے ہندی پاکستانی مسلمان اپنے اپنے ملک کی مادی ترقیوں کو دیکھ کر آئے اور اس سے بڑی، اور اونچی اور مضبوط اور مستحکم مادی دنیا میں اونچی مادی ترقی ڈھونڈھنے کو آئے — اور وہ مادی ترقی ان کو ملی۔ اور مادی ترقی مادی طاقت اور مادی وسائل کا بہت بڑا جیتا جاگتا نمونہ وہ ملک ان کے سامنے تھا اور وہ جانتے تھے کہ ساری دنیا کو چند لمحوں میں کچلنے اور تہس نہس کر دینے والے لوگ ان کے سامنے ہیں اور کچلنے والی طاقتیں ان کے سامنے ہیں — ایسے پس منظر میں کبھی جب ایران کا انقلاب ان کے سامنے آیا تو جیسے ان کے دل سے مادی طاقت کا وقار ہی اٹھ گیا — اور ایک سیدھے سادے مسلمان نے سمندر پار سے ان کے دلوں کو ایسا موڑا کہ وہ امریکہ میں رہکر بھی امریکی طاقت کی گرفت میں ہو کر بھی امریکہ سے مرعوب ہونا بالکل بھول گئے — اور علامہ خمینی پر ان کو ایسا اعتماد ہوا کہ اس اعتماد کے لئے وہ برسوں کا سارا کمایا ہوا اکٹھا کیا ہوا سرمایہ اور آئندہ کی ساری امیدوں اور مستقبل کے سارے توقعات کو داؤں پر لگانے پر آمادہ ہو گئے — یہ کام خدا ہی کر سکتا ہے۔ اور بلاشبہ علامہ خمینی کو دیکھکر خدا کی یاد آتی تھی اور اقبال کی نظم مسجد قرطبہ میں مرد مومن کا جو کردار پیش ہوا ہے وہ اشعار یاد

www.taemeernews.com

آجاتے تھے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ — غالب و کار آفریں کارکشا کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی تمنا قلیل اس کے مقاصد جلیل — اس کی نگہ دلفریب اس کی ادا دلنواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز
نکتۂ پرکار حق مرد خدا کا یقین — اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

میں چالیس سال سے اقبالؔ کو پڑھ رہا ہوں اور بیس سال سے اقبالؔ کو پڑھا رہا ہوں لیکن اقبالؔ کے پیش کردہ مرد مومن، مرد خدا، اور مرد حر کی عملی تصویر پیش نظر اس سے پہلے کبھی نہیں آئی۔ میں کلاس میں سمجھانے کی کوشش کرتا تھا۔ لڑکے کم سمجھتے تھے اور کم سمجھ پاتے تھے۔ اس لئے کہ نئی نسل کا نوجوان اس سائنسی اور واقعاتی اور ٹھوس مادی تصور کی آغوش میں پرورش یافتہ نوجوان۔ کیا سمجھے۔ لیکن خمینیؔ صاحب کو دیکھتے ہی تصور حقیقت میں بدل گیا۔ اور سمجھنا اور سمجھانا دونوں آسان ہوگیا۔

ٹیلیویژن پر روزانہ ہی خبروں کے سلسلہ میں ایران کے عوام خواص۔ عورت مرد۔ جوان بوڑھے کو ایران کی سڑکوں پر گذرتے، جلوسوں میں نکلتے، نعرے لگاتے، جوش کا اظہار کرتے دکھایا جاتا رہا۔ میں نے بہت جلوس دیکھے۔ پریڈ دیکھے جلوس والوں پریڈ والوں کو دیکھا۔ نعرے بھی سنے۔ جوش بھی دیکھا ـــــ لیکن نعرہ لگانے والے چہرے جوش کا اظہار کرنے والی صورتیں یوں نظر آئیں جیسے چہرے اور کے ہیں آواز کہیں اور سے آرہی ہے۔ آواز اور ان کی ہے چہرے اور کے ہیں جیسے پلے بیک سنگر ـــ گانے والا

www.taemeernews.com

اسٹیج پر صرف لب ہلا رہا ہے۔ گانے والی زبان گانے والا حلق اسٹیج کے پیچھے پردہ کی آڑ میں ہے سب ایکٹنگ معلوم ہوتی ہے۔ نقل معلوم ہوتی ہے ــــ بہروپ معلوم ہوتا ہے ــــ ایران کے عوام کو دیکھا۔ جو زبان سے نکل رہا تھا وہ چہروں پر لکھا ہوا تھا۔ دلوں کا اعتماد صورتوں سے نمایاں تھا۔ روح کی حرارتیں آنکھوں سے جھانک رہی تھیں ــ وہ بچے بھی جن کے چہرے جذبات سے خالی ہونے کے دن تھے انقلابی حرارتوں سے سرخ نظر آتے تھے ــــ داڑھیوں کے چھوٹے چھوٹے بالوں سے۔ دل کی گہرائیوں میں جگمگ کرنیوالی چنگاریاں آنکھ مچولی کر رہی تھیں ــــ چادریں گردنوں سے یوں لپٹی تھیں جیسے ہر شخص ہر مرد ہر عورت کفن بردوش ہے ــــ جیسے لوگ سوتے سوتے جاگ پڑے ہوں۔ اس سے قبل ایران سویا ہوا تھا ــ اپنی مادی ترقیوں میں ــــ تیل کی بے پناہ دولت کے درمیان ــــ شاہ ایران کی بے جان شان وشوکت کے درمیان ــ جواہر نگار تخت وتاج کے درمیان ــــ زریں قباؤں اور اطلسی پیرہنوں کے درمیان ــــ وسیع شاہراہوں کے درمیان۔ جگمگاتے ہوئے بازاروں ــــ شراب کی دوکانوں ــــ اور عیش وعشرت کے سامانوں کے درمیان سویا ہوا ایران، پھٹے کپڑوں اور سوکھی روٹیوں میں جاگ گیا ہے ــــ اور پیشانی پر مجاہدوں کی بوندیں سجائے سر سے کفن لپیٹے۔ نقلی نیند سے اصلی اور ابدی نیند کی تلاش میں۔ شاداں وفرحاں۔ افتاں وخیزاں چل پڑا ہے ــ یا اس ایران کی تلاش میں چل پڑا ہے ــ جو اس کے سونے سے پہلے تھا ــــ خدا کرے اس متلاشی قوم کو وہ ایران مل جائے۔

علامہ آیت اللہ خمینی کو امریکہ ٹیلی ویژن ــ اپنے ناقص اور نارسا

www.taemeernews.com

خیال میں ذلیل کر کے پردے پر دیکھنا چاہتا تھا بے شان و شوکت کا مکان۔ بے آرائش و زیبائش کی رہائش۔ بے چمک بے دمک لباس۔ بے صوفے اور بے گدے کا سخت فرش۔ بے تکلف نشست۔ سنجیدہ اور خاموش چہرہ ــــ نگاہیں نیچی ــــ خاموش لب ــــ بے تکلف کھانا ــــ ان امریکیوں کو کیا خبر کہ مسلمان بدل گیا ہے۔ مگر مسلمان کے دل میں اپنی صالح روایت کی یاد زندہ ہے اقبالؔ کہہ چکا تھا اور اقبال کی زبان سے وہ سُن چکے تھے۔

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

علامہ خمینیؔ بادشاہ نہیں فقیر ہیں۔ مگر وہ فقیر جو انسانوں کے بنائے ہوئے سونے چاندی کے تخت پر حکومت نہیں کرتے۔ اللہ کے بنائے ہوئے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرتے تھے۔ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کرتے تھے ــــ خدا نے اِن فقیروں کو تخت پر نہیں بٹھایا۔ دلوں میں بٹھایا۔ علامہ خمینیؔ کی حکومت دلوں پر ہے۔ ان دلوں پر بھی جو پھٹے گریبانوں کے نیچے ہیں اور ان دلوں پر بھی جو اطلسی پیراہنوں کے اندر ہیں ــــ امیر و غریب کے دل علامہ خمینیؔ کی مٹھیوں میں ہیں۔ اللہ اپنے دوستوں کی محبت مخلوق کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ پھر وہ حکومت والوں پر چٹائی پر بیٹھے بیٹھے حکومت کرنے لگتے ہیں۔

مجھے یاد ہے وہ چہرے جو علامہ خمینیؔ سے یا قطب زادہ یا بنی صدر سے انٹرویو لینے والوں کے ہوتے تھے ــــ کیا بیچ و تاب ہوتا تھا ان کے چہروں پہ

www.taemeernews.com

کیا بے بسی ٹپکتی تھی ان کے چہروں سے ـــ وہ سمجھتے تھے کہ خاک کے پتلوں میں پرواز نہیں ہوتی ـــ اِن کے بدن میں قوتِ تگ وتاز نہیں آتی ـــ ایسے انسانوں کو وہ بیتابِ تگ وتاز اور آمادۂ پرواز دیکھ رہے تھے ـــ اور اس تگ وتاز کو اور پرواز کو طاقت رکھتے ہوئے بھی وہ روک نہیں سکتے تھے ـــ اِس اندوہناک بے چارگی کا اظہار ان کے چہروں سے ہوتا تھا، وہ بار بار دانتوں سے ہونٹ دباتے تھے ـــ بھوؤں کو چمکاتے تھے۔ آنکھوں کو سکیڑتے تھے اور مضطرب اعضا کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن ماہر نقال اور آزمودہ کار ایکٹر ہونے کے باوجود وہ اپنی کوشش میں ناکام ہوتے تھے ـــ اور دوسری طرف ایک مردِ مومن۔ جذباتیات سے پاک چہرے کے ساتھ جو ایسا تھما ہوا سمندر معلوم ہوتا تھا جس کی تہہ میں ہزاروں طوفان محوِ خواب رہتے ہیں ـــ نگاہیں نیچی کئے ـــ ٹھنڈے اور نرم لہجے میں شیریں اور ملائم زبان میں کم سے کم الفاظ میں اُن کے مضطربانہ سوالوں کا جواب دیتا تھا۔

علامہ خمینی نے چند دنوں میں۔ صرف ایران ہی میں نہیں عالم اسلام کے مسلماں دلوں میں بشارتوں اور امیدوں کی لہریں لیتی ہوئی دنیا بیدار کردی ـــ اور صرف ایرانیوں کا نہیں عالم اسلام کا وقار بڑھا دیا ـــ کیا جانے مستقبل قریب میں کیا ہونے والا ہے۔ علامہ اقبال کا خواب۔ جو انہوں نے مسجد قرطبہ نظم کہتے ہوئے دریائے کبیر کے کنارے بیٹھے بیٹھے اپنے وجدان کی آنکھوں سے دیکھا تھا اور دریائے کبیر کی خاموش لہروں کی زبانی اپنے عرفان کے کانوں سے سنا تھا۔ اور کہا تھا

www.taemeernews.com

آبِ رواں کبیر تیرے کنارے کوئی　　دیکھ رہا ہے کسی اگلے زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تصویر میں　　میری نگاہوں میں اس کی سحر بے حجاب

وہی عالمِ نو آقائے خمینیؔ کی شخصیت اور کردار سے جنم لینے والا تو نہیں ہے؟ —— خدا پر جو انہیں بھروسہ ہے اور ایمان و یقین کی قوت پر جو ان کا اعتماد ہے وہ بشارتوں سے لبریز ہے —— اور امنگوں سے بھرپور ہے —— اسلام کو اس دورِ جدید میں ایک آواز دینے والا مل گیا ہے —— ایسی آواز جو اس مادی ارتقاد کی چوٹی پر پہونچی ہوئی دنیا کو للکار رہی ہے —— دنیا سمجھ رہی ہے اور پیچ و تاب کھا رہی ہے —— آئندہ کی تاریخ جو کہے —— اور مسلمانوں کے ضعفِ ایمان کے نتیجے میں اس آواز کا جو حشر بھی ہو لیکن اس کھوکھلی نئی دنیا کو ایک سبق تو ملا ہے ۔ اسے ایک تجربہ تو ہوا ہے —— علامہ خمینی کا مشن ناکام ہو سکتا ہے لیکن دنیا کو ایک اشارا مل گیا ہے —— ایک گونج سنائی جا چکی ہے ۔ اس اشارے اور اس گونج کے سرچشمہ کو آج نہیں ڈھونڈھنے والے ڈھونڈھ ہی لیں گے ۔

دل کہتا ہے فصلِ جنوں کے آنے کچھ دیر نہیں
اب یہ ہوا چلنے ہی کو ہے صبح چلے یا شام چلے

www.taemeernews.com

کناڈا کے دوسرے سفر کا زمانہ آرہا تھا۔ اور شکاگو سے گویا اس سفر کی رخصتی تھی، کناڈا کے احباب کا تقاضہ تھا کہ ٹورنٹو میں ایک اہم ادبی نشست ہونی ہے لہذا واپسی میں تین چار دن کا قیام ٹورنٹو میں ہو اور یہیں سے واشنگٹن، ہرسین برگ اور نیویارک ہوتے ہوئے جدہ کو روانگی ہو۔

ایک دن میں اور برادرم خورشید ملک ایک پرفضا مقام سے گذر رہے تھے کہ خورشید صاحب نے کہا

کلیم بھائی! "دائیں طرف دیکھئے" میں نے دیکھا۔ اور غور سے دیکھا۔ انہوں نے پھر پوچھا

دیکھا؟ "کیا دیکھ رہے ہیں؟"

میں نے کہا "دیکھا اور دیکھا کیا ہوں"، ہندستان میں بھی چھوٹے بڑے شہروں میں دیکھا ہے، فرق یہ ہے کہ یہ امریکہ ہے۔ یہاں مال کی فراوانی ہے۔ اس فراوانی کا اظہار یہاں ہے — یہ عیسائیوں کا قبرستان ہے۔ رقبہ بڑا حسین ہے، فینسنگ بہت حسین ہے، اندر قبروں پر امارت کا اظہار ہے۔ شاندار کتبے ہیں، شاندار تعویزیں ہیں۔ باغ ہیں پھلواریاں ہیں، حسین روشیں ہیں، فوارے ہیں، مال والوں کی قبریں ہیں، مال کی نمائش ہے"

خورشید بھائی نے کہا تب آپ نے نہیں دیکھا اور نہیں سمجھا — جناب یہ عیسائیوں کی قبریں نہیں ہیں یہ عیسائیوں کے کتوں کی قبریں ہیں اور میرے دل کو ایک دھچکا سا لگا۔ آنکھیں فرط حیرت سے پھٹ گئیں اور گردن ایک جھٹکے سے مڑ گئی

www.taemeernews.com

—— اور دیکھا کہ نئی تہذیب کے دیوتا کی قبریں بالکل انسانی قبروں کی طرح قطار سے دور دور پھیلی ہوئی ہیں۔ جن کے ارد گرد رنگ برنگ کے خوشنما پھول کھل رہے ہیں۔ جھاڑیاں جھوم رہی ہیں مرمریں تعویزیں اور کتبے چمک رہے ہیں اور چند قبروں پر مرد اور عورتیں، بچے اور لڑکیاں، ہاتھ باندھے سر جھکائے ایسی عقیدت اور محبت سے کھڑی ہوئی ہیں جیسے بزرگوں کے مزاروں پر مسلمان مراقبے میں کھڑے ہوتے ہیں۔

ابتدائے آفرینش سے پرستش کا جذبہ انسانوں میں ہے۔ انسان ہمیشہ اس کے سامنے جھکا جسے بڑا سمجھا اور جس سے پیار کیا۔ خدا سب سے بڑا اور سب سے حسین اور سب سے زیادہ پیار کے قابل تھا انسان اس کے آگے جھکتا ہے اس سے پیار کرتا رہا اور پیار کرتا ہے، اس کے اس پیار کی داستانیں تاریخوں میں بکھری ہوئی ہیں اور اس کی عظمت سے آج بھی انسانوں کے دل جھک جاتے ہیں، وہ خدا پرست کہے جاتے ہیں۔ بڑائی اور افادیت سورج میں چاند میں دیکھی ان کے آگے بھی لوگ جھکتے رہے اور جھکتے ہیں، درختوں سے پھل پایا سایہ پایا اس کے آگے جھکے۔ پانی سے سیرابی ملی اور غرقابی بھی ملی۔ محبت اور دہشت نے پانی کے آگے جھکایا۔ آگ میں طاقت دیکھی۔ افادیت دیکھی۔ روشنی دیکھی حرارت دیکھی زندگی کی علامت دیکھی اس کے آگے جھکے بڑے انسانوں نے انسانوں کو بڑا اور اچھا بنانے کی محنتیں کیں۔ انسانوں نے ان کا بت بنایا ان کے آگے جھکے۔ تاریخ میں خدا پرستوں آتش پرستوں بت پرستوں نے ہر پرستش میں پرستش کا جواز نکالا۔ اور جھک گئے۔ اس عقل اور علم کی معراج پر پہنچی ہوئی دنیا میں سب سے زیادہ دانشمند اور عاقل ترین قوم نے کتے میں پرستش کا کیا جواز

www.taemeernews.com

نکالا اور کیوں سگ پرست ہوئے شاید تاریخ آئندہ بتائے گی ـــــ ہاں مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا

سرسید احمد خاں مرحوم مغفور ایک بار کہیں جا رہے تھے، فرسٹ کلاس ڈبے میں ایک برتھ پر تشریف رکھتے تھے اور زنجیر میں بندھا ہوا ان کا کتا بھی نیچے بیٹھا تھا۔ اتفاق سے تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی مرحوم بھی اُسی ڈبے میں تشریف لائے۔ صاحب سلامت اور مزاج پرسی کے بعد مولانا الگ دوسرے برتھ پر بیٹھ گئے، ذرا وقفہ کے بعد سرسید احمد مرحوم نے مسکراتے ہوئے مزاحاً کہا "مولانا آپ کتے کو ناپاک کہتے ہیں اور الگ رہتے ہیں، میں نے کتے کو اس لئے اپنا ساتھی بنا لیا ہے کہ کتے کے قریب فرشتے نہیں آتے لہذا ملک الموت نہیں آئیں گے"

مولانا نے مسکراتے ہوئے برجستہ کہا "سید صاحب! کتے کی روح قبض کرنے کو بھی تو کوئی فرشتہ آئے گا؟ وہی آپ کی خدمت بھی انجام دے دیگا"

اور دونوں نے ایک فرمائشی قہقہہ لگایا۔

شکاگو سے میری روانگی کا دن آگیا۔ اب دو چار دن ٹورنٹو دو چار دن ہرلسین برگ میں گذار کے نیویارک ہوتے ہوئے مجھے امریکہ کو خیرباد کہنا ہے اہل محبت کے لئے جینا بڑا کٹھن ہے۔ مومن کے متعلق اقبال نے کہا ہے کہ

ہم سائۂ جبرئیل امیں بندۂ مومن
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

مگر بندۂ محبت کے لئے تو وہ فارسی کا مصرع صحیح ہے کہ

ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

www.taemeernews.com

ہمیں تو جہاں اہل محبت ملے وہی ملک ہمارا ہے اور

"کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جا ست"

چنانچہ برادرم خورشید ملک کے گھر کا ہر کونہ دامنِ دل کھینچنے لگا کہ کہاں جاؤ گے اور کیونکر جا سکو گے۔ ان کی اہلیہ عارفہ نے کچھ رشتے یاد دلا دئے اور ان کی والدہ نے تو دل کے اندر سوئی ہوئی یا دبی چنگاری کو ہوا دے دی۔ اور وہ چنگاری بھڑکنے لگی۔ اپنی ماں کی شہادت کے بعد پینتیس برس سے اس بھولی ہوئی قربت کو یاد کیا کرتا تھا شکاگو میں چند دنوں کیلئے وہ گم شدہ قربت اور محبت پھر سامنے آگئی۔ میں گھنٹوں ان کے قریب بیٹھا پرانی داستانیں سنا کرتا اور میرے دل کے اندر کہانیاں جاگنے لگتیں۔ چنانچہ رخصت کے وقت دل بھر آیا اور بڑی مشکلوں سے آنسوؤں کو ضبط کرنا چاہا مگر دل نے ہمت ہار دی۔ اشاروں سے صاحب سلامت کرتا ہوا رخصت ہوا، ایرپورٹ پر برادرم اسد حسین، برادرم اعجاز اور برادرم ضیا عثمانی مع اپنی بیوی اور بچوں کے دیر سے راہ دیکھ رہے تھے۔ ہمیں ایرپورٹ پہونچتے پہونچتے بہت دیر ہو گئی تھی جہاز روانہ ہونے والا تھا۔ نہ مصافحہ ہو سکا نہ رخصتانہ باتیں بس اشاروں سے سب کو سلام کرنے کا موقع ملا، اور آستیں سے آنسو پونچھتا ہوا، اور مڑ مڑ کر دیکھتا ہوا آخر CORRIDOR کے اس کونے پر پہونچ جانا پڑا جہاں سے پیچھے کا تمام منظر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ایک لمبے طویل سفر کا منظر پیش نظر ہوتا ہے۔

ٹورنٹو ایرپورٹ پر بھائی حافظ اشتیاق صاحب موجود تھے۔ برادرم افضل امام چونکہ ہندستان کے سفر کے لئے پا بہ رکاب تھے اپنا مکان چھوڑ چکے تھے اور اشتیاق صاحب ہی کے یہاں وقتی قیام تھا اس لئے ہمارا قیام وہیں طے ہوا

www.taemeernews.com

اور اسی روز شام کو اسٹوڈنٹس ہال میں مشاعرہ تھا۔ اس بار کافی شعرا اور شاعرات کا مجمع تھا، مشاعرہ بالکل مشرقی قاعدے سے فرش۔ اور فرش پر ایک طرف تخت کا اسٹیج اور اس پر سفید چاندنی اور سرخ قالین اور گاؤ تکیے اور برقی شمع صرف پیچواں کی کمی تھی، اور ٹورنٹو لکھنؤ کی بارہ دری بن جاتا۔ مشاعرہ نو بجے شروع ہو کر تقریباً ایک بجے ختم ہوا۔ صرف پانچ شعرا کا نام یاد رہ سکا اور کلام دستیاب ہو سکا اور آپ دیکھئے کہ اردو کے مرکز سے ہزارہا ہزار میل دور دنیا کے ایک کنارے قطب شمالی کے قریب اجنبی ملک، اجنبی سرزمین اجنبی ہوا اجنبی موسم اور نہایت اجنبی ماحول میں اردو شاعری کی دلہن کیسے ناز اور کیسی ادا کے ساتھ اپنا گھونگھٹ اٹھا رہی ہے۔

ٹورنٹو میں ابر چھایا ہوا تھا، اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی، اسٹوڈنٹس یونین ہال یونیورسٹی کمپس میں ہے۔ ٹورنٹو بہت گہری اور گھنی آبادی کا شہر ہے۔ یونیورسٹی شہر سے الگ کسی کشادہ اور فراخ سرزمین پر نہیں بلکہ درمیان شہر کی گنجان آبادی میں ہے۔ عمارتیں گھٹی ہوئی، ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ دبیز دیواریں مستحکم آہنی دروازے سنگلاخ برآمدے بہت بلند کشادہ کھڑکیاں۔ بکنگھم پیلیس کے قاعدے کی عمارتیں انگلینڈ کے عہد متوسط کی یاد دلاتی ہیں۔ انہیں عمارتوں سے دست و گریباں اسٹوڈنٹس یونین کی مختلف عمارتیں ہیں۔ ان عمارتوں میں حسن تعمیر سے زیادہ استحکامِ تعمیر کا خیال رکھا گیا ہے، جمال پوشیدہ ہے جلال نمایاں ہے۔ اندر آرائش اور زیبائش بھی بہت کم ہے۔ کناڈین عملی آدمی ہیں بزم سے زیادہ رزم کا مذاق رکھتے ہیں حسنِ لباس اور حسنِ صورت سے زیادہ حسنِ عمل اور حسنِ سیرت پر مرتے ہیں اس لئے میں نے کناڈین خواتین میں

www.taemeernews.com

میک آپ کا اتنا اہتمام نہیں دیکھا جتنا امریکہ میں یا انگلینڈ میں۔ صورت سے زیادہ صحت پر توجہ ہے اس لئے کناڈین امریکن سے زیادہ چست اور پھرتیلے ہیں۔ امریکہ میں موٹاپا بلکہ بدنما موٹاپا بہت نمایاں ہے۔ ٹورنٹو میں بدن کسرتی اور گٹھیلے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ امریکہ کے اعتبار سے کناڈا میں افراط زر کم ہے بازاروں میں بھی چیزوں کی ریل پیل کا وہ منظر نہیں جو امریکہ کے شہروں میں دیکھا۔ زندگی نسبتاً زیادہ سادہ اور بے تکلف ہے۔

مختصر یہ کہ مشاعرہ جس ہال میں تھا وہ امریکہ کے ہال سے بہت کم جاذب نظر تھا، یہاں شان و شوکت نہیں تھی سادگی اور ستھرائی تھا۔ فرش بھی بہت قیمتی نہیں بلکہ معمولی قالین کا۔ فرنیچر بھی ہمیں ہندستان کی یاد دلاتے تھے، مجموعی طور پر ہال کے اندر ہندستان کے اوسط درجے کے ہال کا نقشہ تھا۔ بہرحال ہمیں ہال سے زیادہ ہال کے اندر عمل کا حال لکھنا ہے۔ حافظ اشتیاق صاحب، افضل امام صاحب سہیل صاحب اور دوسرے منتظمین اس بات کی شعوری کوشش کر رہے تھے کہ مشاعرہ کی تقریب میں بھرپور ہندستانی ماحول منظر اور پس منظر ہو۔ قالین پر سفید چاندنی۔ اور اس پر گاؤ تکیے۔ اور گلدستے نشست بھی شعرا اور اعلیٰ باذوق سامعین کی نیم حلقوں کی صورت میں صدر کے سامنے تھی۔ اس حلقے کے بعد عام سامعین اور ایک طرف خواتین کی نشست تھی۔ دروازے کے قریب کچھ کناڈین طالب العلم اور طلبا بھی دلچسپی سے اس اہتمام اور انتظام کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں ادب و شعر سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی لیکن شاعری اور ادب کے لئے جو ماحول وہاں بن رہا تھا وہ ان کے لئے کافی سامان دلکشی رکھتا تھا۔ خواتین بالکل ہندستانی ساری یا پاکستانی شلوار میں تھیں۔ مرد گرچہ لباس میں

www.taemeernews.com

مشرقیت کا اہتمام عام طور سے نہیں کر سکے تھے مگر وہ اس وقت مغرب اور مشرق کا سنگم ضرور نظر آ رہے تھے۔ مثلاً سوٹ پر ہندستانی پاکستانی ٹوپی ضرور تھی۔ کرسی ٹیبل نہ تھا بلکہ فرش پر چار زانو اور دو زانو نشست تھی۔ اکثر شعرا اور سامعین نے خالص مشرقی لباس شیروانی پینٹ یا پاجامہ اور ٹوپی پہن رکھی تھی۔ وہاں پان تھا۔ اگالدان تھا۔ الائچی کی تشتریاں تھیں۔

خیر جناب مشاعرہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے افضل امام صاحب نے بزم اردو ٹورنٹو کی مختصر سرگذشت بیان کی اور اس کے گذشتہ عملی پروگرام کا اجمالی خاکہ پیش کیا۔ پھر مہمانوں کا تعارف اور آئندہ بزم اردو کے عزائم اور ارادوں کی ہلکی تصویر کھینچی پھر اپنی ہی غزل سے مشاعرہ کا آغاز کیا۔

افضل امام بہار کے ایک معزز پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ۔ آٹھ سال سے کناڈا میں انجنیر ہیں۔ ادبی اور شعری ذوق پٹنہ کے دوران قیام اور عہد طالب العلمی ہی میں ابھر آیا تھا اس نے ٹورنٹو پہونچکر اندر ہی اندر نشو و نما پائی۔ اور بزم اردو کا پودا سرزمین ٹورنٹو سے برآمد ہوا = افضل امام اچھا کہتے ہیں اور بہت اچھا پڑھتے ہیں اور شاید امریکہ اور کناڈا کے تمام شعرا کی برادری میں سب سے اچھا پڑھنے والے ہیں۔ کلام سے ان کے مذاق اور مزاج شاعری کا اندازہ ہوگا کہ کناڈا میں رہکر بھی اس فکر کو پروان چڑھانا اور زندگی اور اس کے کوائف سے آشنا رہنا بڑی انفرادیت اور بڑائی ہے۔ مشاعرے میں انہوں نے اصرار پر تین چار غزلیں سنائیں۔

تو بے خبر طرزِ ملاقات لگے ہے
جس دن تیری یادوں کے شگوفے نہیں کھلتے

"پتھر کی طرح تیری ہر اک بات لگے ہے"
وہ دن نہ لگے ہے بخدا رات لگے ہے

www.taemeernews.com

کیا پوچھو ہو عالم میرے اشکوں کی جھڑی کا
ساون کی امنڈتی ہوئی برسات لگے ہے

آخر تجھے کیوں اتنی عداوت ہوئی مجھ سے
اچھی بھی کہوں ہوں تو بری بات لگے ہے

یہ اشک یہ فریاد یہ آہیں یہ کراہیں
سب کچھ تیرا تحفہ تیری سوغات لگے ہے

اس دور میں ایسے بھی نظر آتے ہیں کچھ لوگ
دن بھی جو دکھاؤ تو انہیں رات لگے ہے

افضل کی غزل سن کے یہ بول اٹھے ہیں احباب
یہ شخص تو پابند روایات لگے ہے

افضل صاحب نے اصرار پر اپنی دوسری غزل بھی سنائی

ساز بجتے رہے رقص ہوتے رہے جام و مینا مسلسل کھنکتے رہے
ہم درمیکدہ پر اکیلے کھڑے دل ہی دل میں سلگتے پگھلتے رہے
کاسۂ دل میں اک عمر کا غم لئے چاک دامن لئے چشم پرنم لئے
ایک جرم محبت کی پاداش میں درد کے راستوں پر بھٹکتے رہے
ہم نے کتنوں کے چاکِ گریباں سئے کتنے زخموں کو مرہم کے پھاہے دئے
اپنا چاکِ گریباں رہا بے رفو زخم اپنے ہمیشہ بھٹکتے رہے
کوئی موسم ہو، گرمی ہو برسات ہو صبح ہو شام ہو دن ہو یا رات ہو
اشک آنکھوں میں ہر دم اُمنڈتے رہے دل میں شعلے ہمیشہ لپکتے رہے
ہم تو اک عمر سے دشتِ غربت میں ہیں اے امام ہم کو اس کا پتہ ہی نہیں
فصل کیا کیا گلستاں میں آتی رہی پھول کیا کیا چمن میں مہکتے رہے

شعر گویا خود کلامی ہے۔ بہت سے ارمان جو پورے نہیں ہوتے، بہت سے خواب جو شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتے بہت سے درد جن کا مداوا نہیں ہوتا فن میں متشکل ہو جاتے ہیں فنکار کی گویا ارمانوں اور آرزوؤں کی تصویریں ہیں۔ افضل امام صاحب

www.taemeernews.com

سات سمندر پار فراغت، آسائش، افراط کی دنیا میں رہکر بھی دشت و بے آب و گیاہ کی تنہائی اور تشنگی محسوس کر رہے ہیں، وطن جہاں واقعی تو ہے تپش ہے خزاں ہے، وہ سدا بہار گلستاں بنا ہوا ہے سچ ہے۔

غم ہے تو کوئی لطف نہیں بستر گل پر
جی خوش ہے تو کانٹوں پہ بھی آرام بہت ہے

اور وطن کی جدائی، وطن کے در و دیوار گلی کوچوں کی جدائی ان گلی کوچوں میں در و دیوار کے سائے میں بیٹھے ہوئے خوش گپیاں کرتے ہوئے اہل وطن کی جدائی بہت بڑا غم ہے اس غم کے مقابلے میں مکھن اور پنیر ٹوسٹ اور انڈے سلیب اور کیلے سے سجے ہوئے ٹیبل، ریڈیو ٹیلی ویژن اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ کمرے، مخمل کے بستر فوم کے تکیے اور ریشمی چادروں سے دلہن بنی ہوئی چھپر کھٹ گرنج میں قیمتی کار، خوشگوار موسم حسین سڑکیں، قمقموں اور مرکریوں سے چمکاتی ہوئی فضا کوئی دلکشی نہیں رکھتی۔ میں سمجھتا تھا کہ تمناؤں کی دنیا بسانے اور سجانے کے لئے لاکھوں ارمانوں سے جس ملک میں گئے ہیں، جن خوابوں کی تعبیر ڈھونڈھنے کو گھر بار چھوڑا ہے وہ خواب پورے ہوئے تو آسودگی سیرابی راحت و نشاط، رقص جذبات، اور رنگینی خیالات سے احباب کی غزلیں بھرپور رہوں گی ہر روز روز عید ہوگی اور ہر شب شب برات گردن مینا میں ہاتھ ڈال کر سوتے ہوں گے اور نکہت باد بہاری کی چھیڑ سے پیدا ہوتے ہوں گے ہر صبح ایک نئی تمنا انگڑائیاں لیکر دلوں کو گدگداتی ہوگی اور ہر شام وہ گدگداہٹ نقرئی اور طلائی قہقہوں میں تبدیل ہوتی ہوگی۔ واجد علی شاہ کا دربار روز سجتا ہوگا سبز پری کا رقص ہر شام برپا ہوتا ہوگا اور شہزادہ گلفام کا افسانہ روز دہرایا جاتا ہوگا۔ لیکن میاں افضل امام کی غزل سن کر

www.taemeernews.com

ایسا لگا کہ جیسے میں اپنی خلوت و انجمن بہار سے ہوائی جہاز پر ساتھ لیتا آیا ہوں۔
..... ارے ..... جن سے بھاگا وہ یہاں بھی موجود؟ جن سے پیچھا چھڑایا
وہ یہاں بھی دامن گیر؟ ..... جن چنگاریوں کی لپیٹ سے کچھ دیر الگ ہو کر
پھولوں کی خوشبوؤں میں یک گونہ بیخودی کی تلاش یہاں لائی تھی وہ یہاں
بھی دامنِ دل جھلسنے کو آموجود ہوئیں ..... اور پھر خوشی ہوئی کہ اجنبیوں
میں نہیں اپنے لوگوں میں ہوں

یہی سوچ کر کچھ تسلی ہے دل کو — میری طرح بے خانماں اور بھی ہیں
اکیلی نہیں ہے تو اے شمع محفل — تیرے چند ہم داستاں اور بھی ہیں
چراغِ سرِ رہگذر تیز رکھیو — مسافر پسِ کارواں اور بھی ہیں

اور پھر حافظ اشتیاق صاحب نے غزل چھیڑی۔ اشتیاق صاحب علی گڈھ کے ہیں چالیس؟ کے لگ بھگ عمر ہے۔ بی کام اور ایل ایل بی کر کے کچھ دنوں علی گڈھ ہی میں وکالت کی ۱۱ گیارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن کیا۔ وکالت کے پیشہ میں دل نہ لگا۔ پاکستان ہجرت کی۔ وکالت، ملازمت تجارت کچھ راس نہ آیا۔ امریکہ چلے آئے، مختلف مشغلوں میں سات آٹھ سال گذارے اب ٹورنٹو کناڈا میں ایک صاف ستھری تجارت کسی شریک کے ساتھ کر رہے ہیں، خوش ہیں اور ساری دنیا کو خوش رکھنا چاہتے ہیں ..... دیندار ہیں اور سارے عالم کو دیندار دیکھنا چاہتے ہیں۔ اندیشۂ شہر نے مرض بنا رکھا ہے مگر انہوں نے مرض کو مقید کر لیا ہے جب کہتے ہیں مرض ان کو نچاتا ہے ڈاکٹر کے یہاں لیجاتا ہے، اسپتال پہونچاتا ہے، بستر پر لٹاتا ہے دوا کھلاتا ہے پرہیز کراتا ہے، اور جب چاہتے ہیں یہ مرض کو نچائے پھرتے ہیں، مشاعروں میں جاتے ہیں کس کر صبح سے

www.taemeernews.com

شام تک محنت کرتے ہیں، نمازوں میں یاروں کی امامت کرتے ہیں رمضان المبارک آتا ہے تو ڈاکٹروں معالجوں اور تیمارداروں کے حکم منشا، اور گذارشوں کے برخلاف ڈٹ کر پورے ماہ کے روزے رکھتے ہیں اور بقول برادرم افضل امام ڈٹ کر ستائیس دن جامع مسجد میں بیس رکعتیں تراویح میں قرآن سناتے ہیں۔

دیکھئے اشتیاق صاحب غزل سنا رہے ہیں۔ آواز مترنم ہے ہلکے ترنم سے غزل پڑھتے ہیں، مگر شرمائے شرمائے سے لگتے ہیں۔ سامعین کے سامنے یوں غزل سرا نظر آتے ہیں جیسے کوئی بچہ اپنے والدین کے سامنے افبالِ جرم کر رہا ہے حالانکہ شاعری جرم نہیں ہے یا ممکن ہے وہ اسے بہت بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور پہلے زمانے کے بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ کارِ خیر یوں کرتے تھے جیسے خدمتگار خدمت کرتا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اشتیاق صاحب بہت سنجیدگی سے نظریں جھکا کے ہلکے آواز میں غزل پڑھ رہے ہیں۔

یہ جنون ہو تو جنون ہے یہ قصور ہو تو قصور ہے
وہی میرے دل سے قریب ہے جو مری نگاہ سے دور ہے
ملی اُن سے پہلے پہل نظر تو اثر کا کس کو شعور ہے
کوئی چیز دل میں اتر گئی مجھے اتنا یاد ضرور ہے
تجھے ایک بار جو دیکھ لے اسے پیار کرنا ضرور ہے
نہ کچھ اس میں آنکھوں کی ہے خطا نہ کچھ اس میں دل کا قصور ہے
ترے چاہنے کے سوا مجھے نہ کوئی طلب ہے نہ آرزو
اسی چاہ میں تو ہے کیفیت اسی چاہ میں تو سرور ہے

www.taemeernews.com

ذرا دیکھ طالب خستہ جاں کہ یہ دو کنارے ملیں کہاں
اُسے ناز اپنے ستم پہ ہے تو مجھے وفا پہ غرور ہے

فرمائش پر انہوں نے دوسری غزل بھی سنائی

چین آئے مرے دل کو یہ امکان نہیں ہے — کس صبح یہاں درد کا سامان نہیں ہے
ہر چند وہ ہشیار ہے نادان نہیں ہے — افسوس وفا کی اسے پہچان نہیں ہے
روشن ہے اسی سے میرے ارمانوں کی دنیا — یہ دل کا جلانا بھی کم احسان نہیں ہے
فولاد کی زنجیر سے بڑھکر ہے یہ زنجیر — یادوں کا بھلا دینا کچھ آسان نہیں ہے
اللہ رے ترے گیسوئے برہم کا کرشمہ — ہے کون جو حیران پریشان نہیں ہے
کافر! تیری مست آنکھوں نے وہ ظلم کیا ہے — دنیا میں کوئی صاحب ایمان نہیں ہے

طالب ہے ہر اک گام پہ دکھ درد کا طالب
جو درد سے خالی ہو وہ انسان نہیں ہے

اشتیاق صاحب کا تخلص طالب ہے۔ غزل کی باتیں غزل کی زبان میں تغزل کی حدود میں کرتے ہیں۔ محبت کے اشاروں میں اپنے دور کی ہلکی ترجمانی بھی کر جاتے ہیں اور دونوں غزلوں کے مقطع سے ظاہر ہے کہ افضل امام صاحب کے ہم زبان ہیں۔ آسودگی کے تمام ساز و ساماں کے ہجوم میں نا آسودہ ہیں دل کچھ کرنا چاہتا ہے۔ وہی جو دل کی بنیادی طلب ہے۔ بنیادی آرزو ہے : دردمندوں میں دردمندی کے ساتھ رہنا اور دردمندی میں زندگی گذار دینا۔ جہاں محبت کی آگ روشن ہو اور چنگاریاں اڑ اڑ کر در و بام کو جگمگا رہی ہوں۔

اشتیاق صاحب تیسری غزل سنا رہے ہیں

www.taemeernews.com

روز ایک غزل کہہ کر ہم ان کو سناتے ہیں
نظریں بھی چراتے ہیں دامن بھی بچاتے ہیں
ہم خاک نشینوں کو سو ناز دکھاتے ہیں
اب کون رکاوٹ ہے اب کون تکلف ہے
تو آؤ چھری کھینچو ہم سر کو جھکاتے ہیں
منھ جیسے کوئی غنچہ دل جیسے کوئی پتھر
وہ کیا ہیں حقیقت میں اور کیا نظر آتے ہیں

وہ کیسا مسرت سے کھل اٹھتے ہیں اے طالب
ٹوٹا ہوا دل اپنا جب ان کو دکھاتے ہیں

ایک بزرگ تشریف لا رہے ہیں۔ سن ساٹھ کے لگ بھگ یا کچھ زیادہ لیکن چہرہ دنیا کے سرد گرم موسموں سے گذر کر تپ کر جوان کا جوان نظر آتا ہے جوش مندوزی صاحب حیدرآباد کے رہنے والے ایک ممتاز خاندان کے فرد اور باعزت والدین کی اولاد تعلیم تہذیب اور شرافت خاندانی ورثہ ہے حیدرآباد ہی سے انجینیرنگ کر کے ملازمت بھی کی اور سیاست بھی۔ اتحاد المسلمین کے سرگرم کارکن۔ تقسیم کے سیاسی مجبوریوں سے کراچی چلے آئے۔ سرفرازی سے ملازمت کی اب اپنے بچوں کے ساتھ کناڈا میں مقیم ہیں۔ شعر و سخن آبائی پیشہ نہیں مگر خاندانی شوق ہے۔ اچھی تعلیمی تہذیبی اور ادبی ماحول میں نشو و نما ہوئی۔ طبیعت شاعرانہ ہے مگر زمانے کی ناقدرشناسی سے دل برداشتہ ہو کر اس فن کی طرف سے توجہ عام ہٹا لی تھی گرچہ اپنے ذوق کی تسکین اور تشنگی کی سیرابی کے لئے تنہائی کا مشغلہ جاری تھا۔ اور جاری ہے، کبھی کبھی کہتے ہیں اور نیکی کر کے دریا میں ڈال دیتے ہیں۔ جوش صاحب تحت اللفظ بھی پڑھتے ہیں اور لحن سے بھی۔ اور دونوں میں مشاق اور کامیاب ہیں۔ پہلی غزل سنئے۔ یہ وہی جھنکار ہے جو ۱۹۴۷ء کے بعد دلوں میں اٹھی مگر زبان سے بہت کم بلند ہوئی۔

www.taemeernews.com

دو گھڑی بیٹھ کر دل کو بہلائیں ہم یہ بھی اہلِ چمن کو گوارا نہیں
جبکہ شاخِ نشیمن بھی باقی نہیں آشیانہ بھی قائم ہمارا نہیں
ہم نے خونِ جگر سے نکھارا اسے لہلہایا بنایا سنوارا اسے
آج ہنس ہنس کے کہتا ہے ہر ایک گل یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں
ناخدا کیا ہوئے تیرے عزم جواں؟ وہ امنگیں کہاں آرزوئیں کہاں؟
ڈوبنے کو ہے کشتیٔ غم رواں اور حدِ نظر تک کنارا نہیں
دوست بھی بن گئے ہائے دشمن صفت بندۂ وقت اور بندۂ مصلحت
وقت میرا نہیں تو تمہارا کہاں وقت پر تو کسی کا اجارا نہیں
کس کو خوش کر سکی جو کرے گی تمہیں جوشِ دنیا تو بس زخم دے گی تمہیں
بس خدا کا سہارا بڑی چیز ہے اور کوئی سہارا سہارا نہیں

ایک اور غزل پڑھ رہے ہیں۔

یہ ظلمِ غمِ دوراں نے کیا ہم صورتِ جاناں بھول گئے
خود اتنے پریشاں حال ہوئے وہ زلفِ پریشاں بھول گئے
وہ پیار کی پہلی بات کہاں وہ وصل کی رنگیں رات کہاں
اے فصلِ بہاراں رخصت ہو ہم لطفِ بہاراں بھول گئے
ہم گرچہ شکستہ حال ہوئے ہر بات وفا کی یاد رہی
تم تو مری جاں ایسے بدلے سب وعدہ و پیماں بھول گئے
بھونرے کی لپک بلبل کی چہک پھولوں کی مہک سبزے کی لہک
جب تو نہ رہا تو کچھ نہ رہا ہم سیرِ گلستاں بھول گئے

www.taemeernews.com

ہم کو تو نصیحت کرتے تھے حسن اور جوانی فانی ہیں
یہ بات مگر بت خانے میں خود واعظِ ناداں بھول گئے
تو چھیڑ نہ ہمدم جوش کو اب وہ اللہ اللہ کرتے ہیں
کیا لالہ و گل کیا جام و سبو سب عیش کے ساماں بھول گئے

اور اب تیسری غزل سنئے۔

ستم ڈھاؤ ہو یا کرم ۔کیا کرو ہو — سمجھ میں نہ آیا صنم کیا کرو ہو
بتوں سے امید کرم ۔کیا کرو ہو — حماقت یہ اہل حرم کیا کرو ہو
بدل دی ہیں ساقی نے ہی جب نگاہیں — تو پھر شکوۂ بیش و کم کیا کرو ہو
خوشی نے بھلا ساتھ کس کا دیا ہے — خوشی کے نہ ہونے کا غم کیا کرو ہو
زمانہ تو پہلے ہی الجھا ہوا ہے — بڑھاؤ ہو زلفوں میں خم کیا کرو ہو

فغاں سے بھڑکتی ہے جب آتش غم
تو پھر جوشؔ پلکوں کو نم کیا کرو ہو

ماحول کوئی ہو موسم کوئی ہو اہل ماحول اور اہل موسم کوئی ہوں، مانوس محفل ہو یا اجنبی، دور کے لوگ ہوں یا نزدیک کے، اپنی زبان والے ہوں یا غیر زبان والے وقت آگے گذر گیا ہو یا پیچھے چلا گیا ہو شاعر ہمیشہ اپنی بات کہے گا اپنے دل کی بات کہے گا۔ دنیا بھول جاتی ہے، شاعر نہیں بھلاتا شاعر ہی سے ہم راستہ، موڑ، اور منزل پہچانتے ہیں۔ ہم اس کے ساتھ چلیں یا نہ چلیں لیکن ہم اس کے دکھائے ہوئے راستے سے الگ ہو کر زیادہ دور اور زیادہ دیر تک نہیں چل سکتے۔ جتنی دور بھی ہم جائیں، کسی نہ کسی وقت کسی نہ کسی مقام سے ہم کو لوٹ کر آنا ہوگا اور وہیں سے راستہ اختیار کرنا ہوگا جس موڑ پہ شاعر اپنے فن کا چراغ جلائے

www.taemeernews.com

ہوئے کھڑا ہوا ہے

جن شعرا کا کلام ہم نے دیکھا اور پڑھا ان کا کلام اسی حقیقت کی طرف نازک اشارے کرتا ہے۔

محفل میں ایک صاحب بہت خاموش خاموش بیٹھے تھے۔ نہ بہت زیادہ بے تکلف نہ بہت زیادہ سنجیدہ۔ مگر بہت سنجیدگی اور بہت بلا تکلفی کا اگر امتزاج ہو سکتا ہے تو ان میں تھا، بہت سنبھل کر داد دے رہے تھے۔ اور کم داد دیتے ہے تھے۔ جیسے کوئی ماہر جوہری ہو ہر چیز کو آنکھوں آنکھوں میں پرکھ رہا ہو تول رہا ہو دام بتا رہا ہو۔ بہت سجا ہوا سوٹ گندمی چہرہ گھونگھریالے بال پینتالیس پچاس کے لگ بھگ عمر کسی فلم ڈائرکٹر کا ایسا چہرا اور رکھ رکھاؤ۔ ہمارے برادرم افضل امام صاحب نے۔ جو مشاعرے کی نظامت کر رہے تھے۔ اور اسی نسبت سے اپنی غزل پہلے پڑھ چکے تھے اور اب ہر خطرے سے آزاد اور بے نیاز ہو کر تعارف میں کافی تکلف اور بے تکلفی، سنجیدگی اور مزاح، نکتہ سنجی اور شوخ گفتاری سے کام لے رہے تھے۔ اعلان کیا کہ ٹورنٹو کے سخن گویوں کے سرخیل تشریف لا رہے ہیں اور محمد حفیظ الکبیر قریشی صاحب سے چند اشعار کی فرمائش کی۔ اور وہی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

مختصر حال یہ معلوم ہوا کہ۔ پہلے بمبئی یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے، پھر شکاگو یونیورسٹی چلے آئے اور اب ۱۹۶۵ء سے ٹورنٹو میں کسی ممتاز سرکاری عہدے پر کام کر رہے۔ انگریزی اور اردو ادب پر بڑی گہری نگاہ ہے۔ اکثر تنقیدی مضامین انگریزی اور اردو زبان میں تحریر فرمائے ہیں جو ہندستان، پاکستان اور شمالی امریکہ کے ادبی جریدوں میں شائع ہوتے ہیں۔ غالباً امریکہ

www.taemeernews.com

اور کناڈا میں مقیم جدید اردو شعرا کا منتخب کلام ابھی حال ہی میں کتابی شکل میں شائع کیا ہے :

کوئی مکمل غزل قریشی صاحب نے نہیں پڑھی۔ بہت بے نیازانہ انداز میں چند اشعار سنائے۔ پڑھنے کا انداز بہت سادہ مگر بہت پر وقار تحت اللفظ میں۔ موثر لہجہ۔ آواز اور اسلوب کلام سے مشاقی استادی اور مہارت نمایاں ہے۔

دیکھ کر اُن کو دل سنبھلتا ہے — کیا محبت جگہ بنائے ہے
لپٹ جاتا ہے رکھ کر عذر مستی — دوانہ ہے مگر تدبیر دیکھیں
گر سمجھئے زندگی کو ایک خواب — خواب کو کوئے عدم تبلائیے
سوز دل کو جانئے ساز دروں — درد کو پھر دل کشا فرمائیے
کوئے جاناں جائیے یا سوئے دار — قاتلوں کو نذر جاں دے آئیے

کبھی تو آیا ہے میخانے کے آنکھوں میں — کبھی گلاب وہ عارض کے لے کے آیا ہے
چلی وہ چال ستم کی ہمارے رہبر نے — کہ دشت و کوہ کو گلشن بنا کے لایا ہے

قریشی صاحب ٹورنٹو میں بڑی ادبی سوجھ بوجھ والے تجربہ کار انسان ہیں، فیض احمد فیض کے دوستوں میں اور میزبانوں میں ہیں۔ کم گفتار ہیں باتوں میں وزن اور وضع و انداز میں رکھ رکھاؤ اور مشرقی سنجیدگی کے حامل ہیں۔

سامعین میں ایک صاحب بہت نمایاں تھے۔ نشست کی جگہ بھی ان کی نمایاں تھی اور انداز نشست بھی منفرد۔ بیشتر دوزانو اور کبھی چار زانو۔ بہت خوش رنگ نفیس سوٹ اور بہت خوش رنگ چہرہ۔ کناڈا کے شہری ہی نہیں

www.taemeernews.com

وضع قطع لباس پوشاک اور شکل وصورت کے اعتبار سے بالکل کناڈین ہی نظر آتے تھے۔ میں نے سنا تھا کہ ایک کناڈین نو مسلم کسی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر ہیں۔ میرا شبہ بار بار اُدھر لے جاتا۔ لبوں میں چمکدار سیاہ سگار آنکھوں پر طلائی کمانیوں کی خوش رنگ عینک، اردو خوب سمجھ رہے تھے، اور داد بھی واقف کاروں کی طرح دے رہے تھے۔ کہ افضل امام صاحب نے اعلان فرمایا کہ اب میں جناب جمال زبیری صاحب کو دعوت سخن دے رہا ہوں اور میں نے دیکھا کہ چُرٹ ہاتھ میں لیکر وہ صاحب بڑے نستعلیق انداز میں اٹھے اور میں حیرت زدہ رہ گیا۔

جسکو کافر میں سمجھتا تھا مسلماں نکلا

جمال زبیری صاحب سے میں واقف تھا۔ کراچی میں اِن کے عزیزوں سے ملاقات ہو چکی تھی۔ ان سے یوں ملاقات ہو جائے گی مرے تصور میں نہ تھا میں گھبرا بھی گیا اور چونک بھی اٹھا اور جب وہ یہ کہتے ہوئے اسٹیج پر آئے "عاجز صاحب آپ نے اجڑی ہوئی تہذیب زندہ کر دی"۔ تو مجھے ایسا لگا کہ برس ہا برس کی سوٹ اور سگار کی صحبت میں بھی اگر انسان بدلنا نہ چاہے تو بدل نہیں سکتا.....

جمال صاحب شمالی ہند کے ایک ادبی اور علمی مرکز مارہرہ ضلع ایٹہ (یوپی) ہندستان کے رہنے والے ہیں جس کی خاک سے بڑے بڑے اہل کمال پیدا ہوئے۔ جمال صاحب بھی ایک نہایت علم دوست اور ادب نواز ممتاز خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ کئی برسوں سے کناڈا میں ایک نہایت باعزت شغلے میں ہیں۔ شعر و سخن خمیر میں ہے مگر مشق نہیں تھی۔ کوئی تحریک ہوتی ہے تو ذوق خفتہ بیدار ہو جاتا ہے اسی نوعیت کی تحریک سے یہ غزل ہوئی۔ اور انہوں نے نہایت

www.taemeernews.com

خوش الحانی سے مشاعرہ میں سنائی

ہم کو آتی ہیں پیار کی باتیں — یا شبِ انتظار کی باتیں
ہم سے دیوانے جب اکٹھے ہوئے — چل پڑیں زلفِ یار کی باتیں
لطف ہے عندلیب گر چھیڑے — اس خزاں میں بہار کی باتیں
جی میں ہے ہمنشیں کہ تجھ سے کہوں — کچھ دلِ داغدار کی باتیں
دل توڑ رکھتے ہیں فاتنوں کا لوگ — اور کرتے ہیں پیار کی باتیں
تھمنا اشکوں کا رکنا آہوں کا — یہ کہاں اختیار کی باتیں
وہ غزل ہی نہیں کہ جس میں نہوں — دردکے کاروبار کی باتیں
کل خدا جانے ہم رہیں نہ رہیں — آج تو کرلو پیار کی باتیں

اب تو کرنے لگے ہیں خوب جمالؔ
بے پیئے ہی خمار کی باتیں

غزل سے طبیعت داری اور پختگی بیتابانہ جھانک رہی ہے ۔ اگر ماحول اور مشق قائم رہی تو اور بھی نکھرنے اور سنورنے کے امکانات ہیں خالص تغزل میں غمِ دل اور غمِ دوراں کی باتیں بے ساختگی سے اشاروں میں کہہ گئے ہیں

افسوس ہے کہ اور شعرا اور شاعرات کا نہ کلام یا د رہا نہ نام نہ کلام دستیاب ہوا نہ حالات معلوم ہوئے ۔ کچھ اپنی کوتاہی کچھ حالات کی ناسازگاری کچھ وقت کی قلت کچھ عدیم الفرصتی ۔ اپنی حالت کیا بتائی جائے ۔ جی میں بہت کچھ کرنے اور کرجانے کا ارمان ۔ لیکن نہ فرصت نہ استطاعت ۔ دنیا کو دیکھنے، اس کی بدنمائیوں سے چشم پوشی کرنے خوشنمائیوں کو ابھارنے اور اس کے لئے ادب وشاعری کو استعمال کرنے کا شوق جنوں کی حد تک بڑھ رہا ہے لیکن

www.taemeernews.com

اس کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ ابن بطوطہ اور ہیون سانگ کی طرح عمر خانہ بدوشی میں گذاری جائے ۔ لیکن یہ تو اس دور میں ممکن ہی نہیں اور اسباب وسائل کی فراوانی اور افراط ہو جانے کی وجہ کر اس کی ضرورت بھی نہیں لیکن بہر حال جس حد تک ضرورت ہے وہ بھی یہاں محال بلکہ ناممکن ہے یہ ان سے ہو سکتا ہے جنہیں فراغت ہے وسعت ہے یہاں تو مزدوری ہے دردسری ہے، صبح اٹھئے مزدوری کیجئے، شام تک کھائیے پھر صبح اٹھئے اور مزدوری کیجئے، بہت سوں کو یہی زندگی پیاری ہے۔ مزدوری کی نوعیت بھی بدلی ہوئی ہے۔ وہ جو صبح سے شام تک اپنے جسم دل اور دماغ کو تھکا کر دس بیس روپے کماتا ہے وہ بھی مزدور ہے اور جو پانچ ہزار تنخواہ لیکر ان سے مزدوری لیتا ہے وہ بھی مزدور ہی کہا جاتا ہے تخلیق دونوں کر رہے ہیں۔ لیکن ان دونوں کی تخلیق راحتِ جسم کے لئے ہے، اسائش بدن کے لئے ہے زیبائش اعضا کے لئے ہے حسنِ بدن کے لئے ہے حفاظتِ بدن کیلئے ہے، سہولتِ بدن کے لئے ہے، شوکتِ بدن کے لئے ہے۔ یہ خوب ہو رہا ہے لوگ جی سے کر رہے ہیں اور جی اتنا لگا ہے کہ پہلے لوگ قحط کے سبب عشق فراموش کرتے تھے۔ اب افراط کے سبب عشق فراموش ہو رہا ہے۔ بدن اتنا لگا رہے ہیں کہ دل لگانے کی فرصت نہیں، محنت اتنی ہے کہ محبت کی گنجائش نہیں، بیوہار اتنا ہے کہ پیار کے لئے راستہ نہیں ہے۔ میں تو دل لگانے والی محنت کرنا چاہتا ہوں، عشق کو بلانے والا کاروبار کرنا چاہتا ہوں، زندگی میں محبت کے لئے وافر جگہ اور پیار کے لئے کشادہ راستہ پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے جسم کو تکلیف دینا پڑتا ہے وہ دے رہا ہوں اور زیادہ دینے کو تیار ہوں اس کے لئے بدن کو گھلانے کی

www.taemeernews.com

ضرورت ہے وہ گھلا رہا ہوں اور زیادہ گھلانے کو آمادہ ہوں لیکن
کیوں گردشِ مدام سے گھبرا نہ جائے دل
انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

درمیان میں وقفہ ہوا تھا۔ یہ وقفہ تکان دور کرنے کے لئے نہیں ہوتا ضیافت تو مسلمان کے مزاج میں ہے فطرت میں ہے خمیر میں ہے۔ اسے کھا کر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی خوشی کھلا کر ہوتی ہے۔ گرچہ فراغت اور کشادگی بڑھ جانے کے بعد مسلمانوں میں یہ صفت اس درجے پر باقی نہیں جو ابتدا میں تھی کہ کسی گھر میں کسی روز مہمان نہ آیا تو وہ دن بڑے استغفار کا دن ہوتا، رونے اور فکر کرنے کا دن ہوتا کہ آج خدا کیوں ناراض ہوا۔ مہمان ایمان کا ایک جزو بن گیا تھا اور ضیافت عبادت کا درجہ حاصل کر گئی تھی، بہرحال ٹوٹنے پھوٹنے پر بھی یہ خصوصیت کسی نہ کسی درجے میں باقی ہے منتظمین مشاعرہ گرم چائے، تحت القہوی، اور سرد مشروبات سے مہمانوں کی سامعین کی شعرا کی اور ایک دوسرے کی ضیافت کر رہے تھے۔ بازار کی چیزوں سے پرہیز تھا۔ خانہ ساز چیزیں تھیں، چائے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی، اور دلوں کی آنچ پر گرم کی ہوئی تھی اس لئے اس میں لذت بھی زیادہ اور سرور بھی وافر تھا، وقفہ کے بعد مشاعرہ پھر شروع ہوا اور تین چار گھنٹے میں ختم ہوا۔

دوسرے دن ہم افضل امام صاحب کے ساتھ ایک مسجد میں گئے۔ اس مسجد کے احباب اس بات کے شاکی تھے کہ میں وہاں نہیں گیا ہوں مکان کو مسجد کی شکل بھی دی جاتی ہے مگر یہ مسجد ہی مکان کی شکل میں بنائی گئی ہے۔ باہر سے مکان معلوم ہوتا ہے۔ اندر نقشہ مسجد کا ہے ممبر بھی ہے مصلیٰ بھی ہے صفیں بھی ہیں۔ الماریوں میں قرآن کے حسین اور دیدہ زیب نسخے بھی ہیں، تلاوۃ خانہ بھی ہے۔

www.taemeernews.com

اور مہمان خانہ بھی ہے نشستگاہ بھی اور آرام گاہ بھی۔ ہم لوگ پہونچے تو کسی کی تقریب نکاح ختم ہوئی تھی، ضیافت کا انتظام تھا۔ پھر ہم لوگ بیٹھے تو ایسا لگا کہ ہندستان کی کسی نشستگاہ میں ہیں۔ فرش اور اہل فرش خوبصورت ریش، خوبصورت پیشانیاں سادہ صاف لباس لمبا کرتہ تنگ مہری کا پاجامہ سفید ٹوپی، کوئی دوپلی کوئی مخروطی کوئی چوگوشیہ۔ باتوں میں شیرینی نرمی محبت۔ بیٹھو تو اٹھنے کا جی نہ چاہے اٹھو تو چلنے کا جی نہ چاہے، انسان محبت کا پیاسا ہے بے غرض محبت کا = غرض والی محبت سے تو بھاگنے کا جی چاہتا ہے۔

کون چاہے ہے کسی کو بے غرض
چاہنے والوں سے بھاگا چاہیے

لیکن غرضمند محبت اور بے غرض محبت فوراً تھوڑی پہچانی جاتی ہے ہاں دل اگر محبت کا عادی ہے تو پہچان جاتا ہے۔ جیسے زبان ذائقہ پہچان لیتی ہے، شیریں، تلخ، پھیکا، آنکھیں رنگ پہچان لیتی ہیں، سرخ سبز سیاہ۔ دل ویسے ہی محبت پہچان لیتا ہے نفرت پہچان لیتا ہے، دوستی، بیگانگی، اخلاص اور تکلف، لگاوٹ اور بناوٹ ..... دل سے کچھ چھپا نہیں رہتا لیکن یہ دل کی ٹرننگ پر منحصر ہے، مشق پر منحصر ہے ـــــ مختصر یہ کہ بڑے سادہ لوگ، بے ریا لوگ، انسان دوست لوگ اور انسان دوستی کا ماحول بنانے کے لئے مرنے والے لوگ ..... میں نے ان سے عرض کیا کہ امریکہ اور کناڈا میں اگر انسانیت اور محبت کی فضا پیدا کرنا ہے، خدا ترسی اور خدا پرستی کا ماحول پیدا کرنا ہے تو جو زندگی یہاں ہے۔ جسم کو آرام سے رکھنے کی، اور اس آرام کے حاصل کرنے میں۔ اس کا معیار اونچا کرتے جانے میں اور اس کی مقدار بڑھاتے

www.taemeernews.com

رہنے میں سب کچھ بھول جانے کی اُس زندگی سے مخالف سمت کی زندگی والی راہ اختیار کرنی ہوگی ..... دوسروں کو آرام پہونچانے کی نیت سے خود کو کچھ مشقت میں ڈالنا ہوگا کمائی کی ہوس کم کرنی ہوگی ۔ کمائی کم ہوگی تو زندگی میں سادگی آئے گی ۔ لباس کا معاشرت کا اثر ذہن پر پڑتا ہے ۔ اور ذہن کا قلب پر اور قلب کا اثر انسان کے اعمال پر پڑتا ہے ۔ آپ ڈیوٹی پر ہوں تو ڈیوٹی کی مناسبت سے لباس جو ضروری ہو پہن سکتے ہیں مثلاً فیکٹری والے کارخانوں میں کام کرنے والے اپنے کاموں کی رعایت سے کپڑے پہن سکتے ہیں لیکن آفس والے اپنی مشرقی سادہ وضع کے کپڑے پہنیں، جن میں سنتوں کی حتی المقدور رعایت ہو ۔ نمازوں کا اہتمام دفتری اوقات میں بھی پابندی سے کریں ۔ نمازوں سے جو ڈیوٹی کے اوقات میں کمی آئے اس کی تلافی کے لئے روزانہ یا ایک دن ہفتہ میں زیادہ کام کریں ـــــ ..... الحمدللہ امریکہ میں دعوتِ دین کی محنت سے لگے ہوئے احباب نے اپنی پوری زندگی میں سادگی اپنائی ہے ۔ خرچ میں کمی ہوئی تو کمائی سے اوقات بچائے گئے اور وہ وقت رفاح عام میں لگایا گیا ۔ اس طرح دوسرے متاثر ہوئے ۔

امریکن اور کناڈین عوام مذہبی تعصب سے بڑی حد تک پاک ہیں اس لئے اسلام کی سچی زندگی اور تعلیم سے جلد متاثر ہوتے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں تو حلقہ بگوش اسلام ہونے میں انہیں کوئی پس و پیش یا تکلف نہیں ہوتا ..... اور جب وہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں تو اپنی پچھلی زندگی بالکل بھول جاتے ہیں اور از سرِ نو زندگی کی تشکیل کرتے ہیں ۔ انہیں پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے جیسا کہ میں نے نو مسلم کناڈین عبدالکریم کا حال بیان کیا کہ میں نے اسے

www.taemeernews.com

دو سال قبل جب وہ اسلام لاکر ہندستان آیا تھا دیکھا تھا لیکن دو سال بعد اُسے پہچان نہ سکا کہ وہ کناڈین ہے یا تیرہ سو سال پہلے کا خاص حجازی عرب وہ سو فیصد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے سانچے میں ڈھلنا چاہتے ہیں اور ڈھل جاتے ہیں..... اب سڑکوں پر گشت کریں گے تو وہ کچھ دیر استعجاب سے دیکھیں گے پھر تماش بیں کی حیثیت سے آپ کے شامل ہو جائیں گے..... آپ جہاں جہاں جائیں گے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے. خاموشی سے آپ کا انداز رفتار دیکھیں گے آپ کا انداز نگاہ دیکھیں گے، طرز لباس دیکھیں گے آپ کی مختصر باتیں سنیں گے نماز دیکھیں گے دعا دیکھیں گے ..... اور جب آخر میں آپ اُن تماش بینوں سے پوچھیں گے کہ آپ لوگوں نے کیا دیکھا؟ کیا سمجھا؟ کیا فیصلہ کیا تو وہ آپ سے کہیں گے کہ آپ لوگ ہم سے کیا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور آپ جب کہیں گے کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہدایت راستے پر آجائیں خدا کو پہچان لیں، کلمہ پڑھ لیں،..... تو وہ آپ سے کہیں گے ..... پڑھایئے کلمہ اور آپ کلمہ پڑھائیں گے تو وہ کلمہ کو دل میں اتار لیں گے جب وہ بیٹھے تھے تو پکے کافر تھے اور وہاں سے اٹھیں گے تو پکے مسلمان ..... پھر وہ بھول جائیں گے کہ وہ کیا تھے وہ صرف یہ سمجھیں گے کہ وہ کچھ ہو گئے.... کیا ہو گئے؟..... جیسا آپ بنائیں گے ویسا ہو جائیں گے.....کل وہ استاد تھے..... آج آپ استاد ہو گئے..... کل وہ نیویارک یونیورسٹی میں الیکٹرونک کے پروفیسر تھے..... آج آپ کے آگے طفل مکتب ہیں. ..... آپ کہیں گے یوں چلو وہ ویسے ہی چلیں گے..... یوں بیٹھو وہ ویسے ہی بیٹھیں گے..... کپڑے یوں پہنو..... ویسے ہی پہنیں گے. کھانا یہ کھاؤ

www.taemeernews.com

اور یوں کھاؤ وہ وہی اور ویسے ہی کھائیں گے...... وہ گویا سادہ سلیٹ بن جائینگے
اُس پر آپ جو بول لکھیں گے وہی وہ بولیں گے۔ جو معاشرت لکھیں گے وہی
اختیار کریں گے..... جو عبادت لکھیں گے وہی انجام دیں گے ــــ کل وہ
کرسی پر پاؤں پھیلا کر بیٹھتے تھے، ٹیبل پر کھانا کھاتے تھے... آج وہ فرش پر
دوزانو بیٹھ کر دسترخوان بچھا کر ادب سے کھانا کھائیں گے.... کل ان کے لئے
الگ تشتری تھی۔ الگ پلیٹ تھا۔ الگ چمچہ تھا۔ الگ گلاس تھا۔
ــ آج وہ ایک ہی پلیٹ میں چار آدمیوں کے ساتھ ہاتھ ڈال کر کھائیں گے
ایک ہی مشترک گلاس میں پانی پیئں گے..... کل ان کیلئے لقمہ اٹھانے کیلئے
چھری تھی کانٹے تھے.... آج ان کی انگلیاں ہیں وہ تین انگلیوں سے روٹی
کھائیں گے۔ چار انگلیوں سے چاول ــــ کل ٹیبل پر بے باکانہ ہنستے تھے....
آج دسترخوان پر نظریں جھکا کر خاموشی سے کھائیں گے۔ کل وہ سوٹ پہن کر ٹائی
لگا کر ہیٹ اوڑھ کر کلاس میں پڑھانے جاتے تھے.... آج پاجامہ شیروانی
پہن کر... صافہ باندھ کر۔ جیب میں مسواک رکھ کر خوبصورت داڑھی کے ساتھ
نیویارک یونیورسٹی میں اپنے ہم وطن عیسائی شوخ وشنگ چالاک بے باک
لڑکوں لڑکیوں کو پڑھانے کے لئے کلاس میں جائیں گے.... اور وہ شوخ
وشنگ چالاک اور بے باک عیسائی لڑکے لڑکیاں اس سے زیادہ ادب ان کا
کریں گی، جتنا وہ پہلے اپنے ہیٹ اور سوٹ والے استاد کا کرتی تھیں۔ اور
جب وہ جماعتوں میں نکل کر گفتگو کریں گے.... تو تماش بین حضرات حیرت
سے، اچنبھے سے تعجب سے منہ دیکھیں گے اور ہماری سمجھ میں جلد نہیں آئے گا کہ
یہ سابق رجرڈ ڈیا الفریڈ باتیں کر رہا ہے یا تیرہ سو سال پہلے کے کسی صحابی کی

www.taemeernews.com

اولاد کو اللہ نے اپنی قدرت سے زندہ کر دیا ہے .... وہ ایمان کی یقین کی ..... خدا کے خوف کی ..... اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی۔ آخرت کی، قبر کی، حشر کی حساب کی، پلصراط کی .... جنت کی نعمتوں کی جہنم کی زحمتوں کی باتیں ایسے دل سے اور قلب کی ایسی گہرائیوں سے کرے گا کہ ہم صدیوں کے نسلی مسلمان .... الحاج صاحب اور سید صاحب اور شیخ صاحب اور علامہ صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا سر گریباں میں چلا جائے گا ..... کہ ہم اپنے کو کچھ سمجھ رہے تھے آئینہ کچھ اور کہہ رہا ہے۔

زندگیوں میں یہ انقلاب تقریروں سے نہیں عمل سے آتا ہے ... آتا رہا ہے اور آئے گا ..... کتابوں سے اور تحریروں سے اور مقالوں سے نہیں آئے گا عملی نمونوں سے آئے گا ..... یہ عملی نمونے جتنے عام ہوتے جائیں گے، اس سرزمین پر انقلاب کی رفتار اتنا ہی تیز ہوتی جائے گی۔ کمی ماننے والوں کی نہیں ہے .... منوانے والوں کی ہے ..... چلنے والوں کی نہیں چلانے والوں کی ہے ڈبوں کی نہیں انجنوں کی ہے .... قافلے تیار ہیں بانگ درا چاہئے۔

.... کارگہہ شیشہ گراں چور ہونے کو ہے .... آداب جنوں چاہئے۔

اس بار ٹورنٹو میں قیام تین چار ہی دن رہا۔ ٹورنٹو سے مجھے اپنی بھانجی سے اس سفر کی آخری ملاقات کے لئے ہریسن برگ جانا تھا وہاں سے چند گھنٹوں کیلئے واشنگٹن پھر امریکہ کے آخری چند دنوں کا قیام نیویارک میں کرکے قاہرہ ہوتے ہوئے جدہ روانہ ہو جانا تھا ٹورنٹو سے روانگی کے دن اکثر احباب برادرم افضل امام کے یہاں ملاقات کے لئے آتے رہے۔ ایک حیدرآبادی دوست یار کرقلم اور چینیوں کا ایک سیٹ تحفے میں دے گئے۔ اشتیاق صاحب ایک بریف کیس لائے

www.taemeernews.com

اسے کھولا تو اُس میں ایک خوبصورت سیلپنگ گاؤن بھی تھا..... ارے اشتیاق صاحب..... یہ گاؤن میں پہنوں گا تو ہر جگہ کیمرہ والے تصویر لینے کو آجائیں گے..... اور لوگ کہیں گے کہ غالب اپنی رنگین قبا کے ساتھ پھر زندہ ہو گئے"۔۔۔ اشتیاق صاحب نے کہا کہ اپنے بچے ڈاکٹر وسیم کو دے دیجئے گا ..... وہی ہوا..... آتے وقت شکاگو سے ڈاکٹر خورشید ملک کا ٹیلیفون آیا..... "کیا خبر ہے؟ کیا واقعی ہم لوگ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں؟..... میں نے کہا برادرم سب پوچھو یہ نہ پوچھو..... آپ کے پوچھنے پر پہلے نوح ناروی مرحوم کا مطلع یاد آتا ہے۔

کیوں کر بسر ہوئی شب فرقت نہ پوچھئے
سب مجھ سے پوچھئے یہ مصیبت نہ پوچھئے

اور پھر اپنا شعر یاد آتا ہے..... اور یاد آتا رہتا ہے اور دل میں نشتر چبھوتا رہتا ہے

نہ اٹھتے تری بزم سے جیتے جی
یہ غم کیا کہیں ہم سے کیونکر اٹھا

برادرم برابر ٹیلیفون کرتے رہے اور ان سے رخصت ہو کر بھی ہم ان سے رخصت نہ ہوئے تھے..... ٹیلیفون کے پس پردہ باتیں ملاقاتیں شکایتیں ہوتی رہیں ..... حسرتیں جاگتی رہیں..... کروٹیں بدلتی رہیں..... انہیں سونا آتا ہی نہیں اور نہ انہیں مرنا آتا ہے۔

ہم برادرم افضل امام، حامد صاحب حیدرآبادی اور برادرم شاہد صاحب ایرپورٹ پر آئے۔ ٹورنٹو کا بہت بڑا ایرپورٹ ہے یہاں ایرپورٹ کے اندر کی عمارتوں میں بھی قالین بچھے ہوئے سائبانوں اور گذرگاہوں پر بجلی کی

www.taemeernews.com

ٹرولیاں چلتی ہیں جن پر مسافر اپنے سامانوں سمیت ایک کاؤنٹر سے دوسرے کاؤنٹر پر جاتے ہیں ..... کبھی کبھی ایک کاؤنٹر سے دوسرا کاؤنٹر اندر ہی اندر ایک ایک فرلانگ دوری پر ہوتا ہے۔

ہمارا سامان کسٹم کے جس کاؤنٹر پر آیا اس پر ایک خاتون انچارج تھی۔ پینتیس ۳۵ چالیس ۴۰ کی عمر ..... برادرم افضل امام نے میرا سامان کاؤنٹر پر رکھا اور میرا پاسپورٹ دیا۔ میں پیچھے تھا ..... اس خاتون نے انگریزی میں کہا تھا کہ آپ سامنے سے ہٹ جائیے اور جانے والے کو خود سامنے آنے دیجئے ..... میں سامنے آیا ..... تو اس نے سوٹ کیس وغیرہ کو انگلیوں سے بجا کر انگریزی میں پوچھا ..... "کوئی سامان کسٹم ڈیوٹی کا تو نہیں ہے ..... میں نے کہا نہیں ..... کوئی پکا ہوا کھانے کا سامان تو نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں ..... اس کے بعد اس نے اچانک ایسا سوال کر دیا کہ چند سیکنڈ کے لئے میں گھبرا گیا اور پسینہ آگیا گرچہ زمانہ سخت سردی کا تھا۔ اس نے کہا "یہ مونچھیں آپ خود بناتے ہیں یا کوئی دوسرا بنا دیتا ہے" ..... اور یہ کہتے ہوئے وہ مسکرائی ..... اور میرے ساتھی بھی مسکرا اٹھے ..... میں چند سیکنڈ میں سنبھل گیا ..... اور پھر ہلکی مسکراہٹ سے میں نے کہا ..... "جی، میں خود ہی بناتا ہوں اور اگر آپ بیس پچیس سال پہلے ان مونچھوں کو دیکھتیں تو اور دیر تک دیکھتی رہ جاتیں اور آپ کا دھیان مونچھیں بنانے کے کسی خاص نازک آلے یا مشین کی طرف جاتا" ..... اس کا تبسم کچھ اور پھیل گیا اور بولی "بیشک بیشک ..... اب بھی بہت اچھا ہے" ..... اور پھر اس نے اسی بے تکلفی سے پوچھا ...

"آپ کا کیا مشغلہ ہے؟"

www.taemeernews.com

میں نے کہا ۔" کالج میں پڑھاتا ہوں"

وہ یک بیک بہت سنجیدہ ہوگئی۔ اور اس کی آنکھوں میں شوخی کی جگہ احترام اور سنجیدگی آگئی ..... اس نے جلد جلد کسٹم کے کاغذات بنائے اور میرے حوالے کرتے ہوئے بولی۔

"آپ میرے لئے دعا کیجئے ..... میں بھی یہ پیشہ چھوڑنا چاہتی ہوں اور چھوڑ رہی ہوں .... پڑھانے کے کام پر میرا انتخاب ہوگیا ہے اور میں بہت جلد اپنے نئے شعبے پر جارہی ہوں

ان سب باتوں میں مشکل سے دس منٹ صرف ہوئے ہوں گے ....

کسٹم کے کاؤنٹر پر اس قسم کی باتیں نہیں ہوتی ہیں لیکن اللہ نے مختلف لوگوں کو مختلف میلان، مزاج اور طبیعت کا بنایا ہے .... انسان مشین نہیں ہے کہ کسی خاص مقام پر ایک ہی کام کرے ..... انسان آزاد ہے پیچیدہ ہے ناقابل فہم ہے .... وہ مجبور کم ہے صاحب اختیار زیادہ ہے .... وہ چاہے تو مجبوری اس کی اور بھی کم ہوسکتی ہے اور اختیار اور بھی بڑھ سکتا ہے اُس خاتون کے سوالات اور اس کی باتوں پر میرے ساتھیوں کو جو وہاں کے قدیم باشندے تھے .... بہت زیادہ حیرت ہورہی تھی .... لیکن مجھے حیرت نہیں تھی .... مری صورت شکل، وضع قطع، کم سخنی کم آمیزی دیکھ کر اُسے میں کوئی نئی قسم کا مخلوق معلوم ہوا اس لئے سوالات بھی اس نے نئے نئے کردئے جو عموماً مسافروں سے نہیں کئے جاتے اور نہیں کہے جاتے .... دوسری حیرت کی بات میرے ساتھیوں کو یہ بھی لگی کہ وہ کسٹم جیسی خوش آمدنی والی ملازمت چھوڑ کر ٹیچری جیسی دردسر والی اور درد جگر والی لائن اختیار کرنے جارہی ہے۔

www.taemeernews.com

.... لیکن کیا کیجئے گا کسی کو دردِ سر اور دردِ جگر ہی عزیز ہے .... اسی سے پیار ہے ..... اور سب سے زیادہ حیرت ناک بات تو سب کو یہ لگی کہ اس نے دعا کی درخواست کی جو خالص مشرقی تہذیب کی بات ہے ..... دعا پر بھروسہ، دعا پر اعتماد .... اور پھر دعا کی درخواست اس شخص سے کی، جس سے ابھی چند منٹ پہلے شوخی اور خوش طبعی سے مخاطب ہو چکی تھی ..... میرے خیال میں دو ہی چیزیں اس کی محرک ہوئی ہوں گی ایک تو میری مخصوص اور نمایاں مشرقی وضع دوسرا میرا پیشہ — مشرقی عقیدے میں مشغلۂ تعلیم اور تدریس سب سے زیادہ معزز مطہر اور معظم مشغلہ ہے۔ اس کا تعلق زہد و تقویٰ بزرگی اور تقدس سے ہے .... ممکن ہے وہ عیسائی عورت مشغلۂ درس و تدریس کے اس مشرقی تصور سے واقف ہو .... اسے کیا پتہ کہ یہ تصور کب کا دفن ہو چکا اور مشرق مغرب کی برکتوں کے سہارے بہت کچھ بدل چکا ہے .... اس کی بلندی انتہائی پستی میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس کا تقدس تعفن بن چکا ہے .... بہرحال ٹورنٹو ایرپورٹ کا یہ تجربہ ایسا ہے جو مجھے بہت دنوں یاد رہے گا اور میں دعا کرتا رہوں گا کہ خدا کرے اس خاتون کا حسن ظن قائم رہے۔

اشتیاق صاحب پہلے ہی مل کر جا چکے تھے۔ برادرم افضل امام کا میرے امریکہ چھوڑنے سے پہلے ہی امریکہ چھوڑ کر ہندستان جانے کا پروگرام بن چکا تھا۔ نیویارک سے میری روانگی ۱۱ دسمبر کو ملے تھی۔ اور ان کی روانگی ٹورنٹو سے ۳۰ نومبر کو ہونے والی تھی۔ اس لئے ہم دونوں ہندستان میں پھر ملنے کے خوشگوار خیالات میں اپنے جدا ہونے کا غم فراموش کر چکے تھے۔ میاں شاہد سلمہٗ میرے ہندستان پہونچنے کے ایک ماہ بعد رخصت پر گھر آنے والے

www.taemeernews.com

تھے. بہرحال تو ٹورنٹو سے رخصت ہونے کے وقت وہ گرانی اور وہ رقت نہیں تھی جو شکاگو میں برادرم خورشید ملک کے گھر سے رخصتی کے وقت تھی. یا جو ہرلسین برگ سے روانگی کے وقت پیش آنے والا تھی، اور نیویارک کا مرحلہ تو ابھی باقی ہی تھا.

ٹورنٹو سے ہوائی جہاز بارہ بجے کے قریب روانہ ہوا، یہ جہاز ہمیں فلاڈلفیا تک لایا. یہاں ایک گھنٹے میں پہونچ گئے اور ایک گھنٹہ بعد یہاں سے دوسرا پلین ہمیں لیکر واشنگٹن جانے والا تھا. مسافروں کے لئے بڑے بڑے ویٹنگ ہال ہیں. ہال میں جدید قسم کی آرام دہ گدے دار کرسیاں ہیں، اور تقریباً ہر کرسی کے قریب سلفچی اگال دان ردی کی ٹوکری کا مجموعہ ایک چوکور یا گول۔ ہندستان کے سڑکی لیٹر بکس کی وضع رنگ اور ناپ کی ایک چیز رکھی رہتی ہے، جس میں آپ سگریٹ کے ٹکڑے پھینک سکتے ہیں پھل کے چھلکے ڈال سکتے ہیں. دبیز کاغذ کے گلاسوں میں چائے، سرد مشروبات یا پانی پیکر وہ گلاس اس میں ڈال سکتے ہیں کہیں کاغذ کا ایک ٹکڑا ماچس کی ایک سلائی نظر نہیں آئے گی. فرش صاف شفاف۔

ہم نے ان کرسیوں میں ایک پر اپنا اوور کوٹ رکھا، بریف کیس رکھا جھولا رکھا. پھر جھولے میں سے گلاس نکالا باتھ روم میں گیا استنجہ کیا..... میرے گلاس کو اور باتھ روم کی طرف جانے کو. سب لوگ معنی خیز نگاہوں سے دیکھتے پھر گلاس میں پانی لے لے کر وہیں بیسن پر میں نے وضو کیا. اور کرسیوں کی سب سے آخری قطار کے پیچھے مصلی بچھا کر ظہر کی دو رکعت نماز قصر ادا کی۔ اتنا کرتے کرتے فلاڈلفیا سے واشنگٹن روانہ ہونے کا وقت ہو گیا اور میں جہاز پر

www.taemeernews.com

آگیا۔

ہمارا پلین واشنگٹن کے ڈلکس ایرپورٹ پر جا اترا۔ واشنگٹن کا سب سے بڑا بین الاقوامی ہوائی اڈا ہے۔ یہاں پلین میدان ہی میں رہتا ہے اور ہوائی جہاز کے کھڑکی کے برابر اونچائی کی بسیں آکر دروازے سے لگ جاتی ہیں۔ اسی بس پر ہم ایرپورٹ کی عمارت تک آئے۔ پہلے ہی کی طرح اس بار بھی برادرم حسین امام موجود نہیں تھے ...... ایرپورٹ سے ٹیلیفون کیا تو ان کی اہلیہ نے بیتابی سے کہا کہ "جہاں پر ہیں وہیں انتظار کیجئے۔ وہ گھر سے آپ کو لانے کے لئے نکل چکے ہیں ممکن ہے ٹرافک جام ہو گیا ہو..... دیکھئے آپ جہاں ہیں وہیں رہئے..... بس وہ پہنچنے والے ہی ہوں گے ..... دیکھئے ہرگز ہرگز ادھر ادھر نہ جائیے اس بیتابی اور بیقراری سے وہ یہ بات بار بار تکرار سے کہہ رہی تھیں... جیسے کوئی چھوٹا بچہ ہو جس کے کھو جانے کا اندیشہ ہو اور اس اندیشہ سے اُن کا جگر پانی ہو رہا ہے۔ میں نے دو بار ٹیلیفون کر کے انہیں تسلی دی اور وہ بار بار اسی بات کی تکرار کرتی رہیں۔

میں جس جگہ تھا پچاسوں مسافر مع سامان کے سفر کے منتظر تھے یا کسی استقبال کو آنے والے کے جیسے میں تھا۔ سب امریکن یا کناڈین یا انگریز۔ ان کی خوش وضعی خوش مقامی اور خوش گفتاری کیا کہنا سب بہترین لباسوں میں بہترین انداز سے آپس میں محو گفتگو تھے یا محو خیال یا محو سگریٹ نوشی۔ آرام دہ گدے دار کرسیوں پر دراز۔ ہاتھ میں کیمرہ یا ہینڈ بیگ یا شراب کا گلاس یا انگلیوں میں سگریٹ۔ تقریباً ہر دو کرسی کے ساتھ سگار دان سگریٹ دان اور خاکدان تھا [illegible] والے مائک پر اعلان کرتے، وہ جن کے ٹکٹ نمبر جہاز کی روانگی کا

www.taemeernews.com

اعلان ہوتا۔ اس نمبر کے دروازے کی طرف اپنا سامان لیکر چل پڑتے، بقیہ اپنے مشاغل میں یا گفتگو میں یا خیال پھر منہمک ہو جاتے....

میں جس کرسی پر تھا اس کی بغل میں ایک ادھیڑ عمر کا انگریز میری ہی طرح تنہا خاموش بیٹھا تھا۔ شاید اسے بھی کسی کے آنے کا انتظار تھا..... کچھ دیر بعد مجھ سے مخاطب ہوا اور انگریزی میں کہا... کیا آپ تھوڑی دیر کے لئے میرا سامان دیکھیں گے؟... میں باتھ روم سے آتا ہوں"..... میں نے کہہ دیا بشوق جائیے..... مگر مجھے حیرت تھی اور میں نے سوال کر دیا..." کیا یہاں بھی سامان کے چوری چلے جانے کا خوف ہے؟"

"کیوں نہیں؟.... کیا فرشتوں کا ملک ہے؟ — یہاں سامان بھی جا سکتا ہے اور جاتا ہے،.... جان بھی جا سکتی ہے اور جاتی ہے — یہاں — کچھ ہو سکتا ہے اور سب کچھ ہوتا ہے.... کیا آپ پاکستان سے آرہے ہیں؟"

"نہیں میں کناڈا سے آرہا ہوں اور ہندستانی ہوں.... میں تو یہاں عموماً بہت شانتی، امن اور سکون دیکھ رہا ہوں.... کبھی کسی ایرپورٹ پر کوئی شور نہیں سنا... کسی کے سامان چوری ہو جانے کا ہنگامہ نہیں دیکھا"

"لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ یہاں چوری نہیں ہوتی..... ہاں چوری کا ہنگامہ نہیں ہوتا جس طرح آپ کے ملک میں ہوتا ہے.... یہاں کسی کا سامان جاتا ہے، تو وہ دیوانہ نہیں ہوتا — شور نہیں کرتا، ہنگامہ نہیں کرتا.... بس وہ متعلقہ پولس حلقے کو مطلع کر دیتا ہے... اور صبر کر لیتا ہے، خاموش رہتا ہے اور چلا جاتا ہے"

اور میں نے سمجھا اور میری سمجھ میں آیا کہ یہاں جو فرق ہے وہ زندگی کے

www.taemeernews.com

بدلنے سے نہیں ہے بلکہ محض زندگی کا چلن بدلا ہے .... عمل نہیں بدلا ہے ، ردِّ عمل بدلا ہے ـــــ شراب نہیں بدلی ہے ظرف بدلا ہے یہاں بھی سب کچھ وہی ہے جو عموماً دوسرے ملکوں میں ہے ۔ اس کے ظہور کا انداز مختلف ہے ... جھگڑے یہاں بھی ہوتے ہیں ۔ مگر یہاں کتوں کی طرح بھونکتے نہیں ہیں .... لڑائیاں یہاں بھی ہوتی ہیں .... لڑائیاں یہاں بھی ہوتی ہیں مگر پنترے نہیں ہوتے گردن اڑادیں گے .... گولی ماردیں گے ۔ خنجر بھونک دیں گے .... مرنے والا بھی خاموش ہوتا ہے اور مارنے والا بھی خاموش چلا جاتا ہے .... دوڑیو .... پکڑیو .... وہ چور ہے .... وہ گرہ کٹ ہے ... یہ سب ہنگامہ یہاں نہیں ہوتا ۔ شاید اس لئے کہ یہ زندگی کے عمومی چہل پہل میں داخل ہو گئے ہیں ۔ نہ مرنا کوئی اہمیت رکھتا ہے نہ مارنا ۔ نہ لوٹنا کوئی اہم واقعہ نہ لٹنا ۔

بہرحال وہ گیا اور پھر آگیا .... لیکن مجھے بارہا ، ایرپورٹ پر استنجا اور وضو کے لئے باتھ روم میں اکثر دیر تک کے لئے جانے کی ضرورت ہوئی ، مگر میں نے اپنے سامان کا نہ کسی کو نگراں بنایا ، نہ کسی خاص محفوظ مقام پر رکھا جہاں پڑا تھا ۔ وہیں چھوڑا اور پھر آکر وہیں پڑا ہوا پایا ....

خدا حساب مرا روزِ حشر کیا لے گا
وہ کون سا مجھے سامان بے حساب دیا

شاید یہی وجہ ہو ـــــ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ میں سامان لے کر ایرپورٹ سے باہر چلا آیا ۔ آنے والوں کا انتظار رہا اسی دوران نماز کا وقت گذرنے لگا تو وہیں فٹ پاتھ پر اپنے عربی ڈیزائن کا رومال بچھایا اور دو رکعت نماز قصر ادا کی آنے جانے والے کترا کر گذرتے رہے ـــــ نماز ادا کر کے دو ایک

www.taemeernews.com

منٹ تسبیح کے لئے میں بیٹھا ہی رہتا، اور لوگوں سے نگاہیں مل جاتیں ـــ مرد خندہ پیشانی سے دیکھتے ۔ عورتیں حیرت سے اور بچے تجسس سے. مگر دیکھتے سب۔

بہرحال تو تھوڑی دیر میں برادرم حسین امام آ گئے، ان کی جسامت میں اور آواز میں اتنا تضاد ہے کہ حیرت ہو جاتی ہے .... بدن ماشاءاللہ تندرست وتوانا بلکہ بھاری بھرکم .... لیکن آواز ؟ .... جب گھر میں وہ اپنی دلہن سے اونچی آواز میں باتیں کرتے ... اور کوئی کتاب پڑھتے ہوئے یا کسی اور طرف مخاطب رہتے ہوئے دونوں میاں بیوی کی آواز میرے کان میں آتی ـــ تو میں میاں کی آواز کو بیوی کی آواز اور بیوی کی بولی کو میاں کی بولی سمجھ بیٹھتا ۔ آواز مہین اور نسائیت آمیز ـــ بہرحال تو حسین امام صاحب آتے ہی معذرت کرنے لگے ۔ راستے میں ٹریفک جام میں گاڑی آ گئی ۔ پون گھنٹے اس سے نکلنے میں لگ گئے ۔ ان کے گھر آیا ۔ دلہن ان کی سراپا انتظار جنگلے سے دیکھ رہی تھیں ـــ

کتنی خوشی پردیس میں رہنے والوں کو کسی دیس سے آنے والے کو دیکھ کر ہوتی ہے ؟

او دیس سے آنے والے بتا کس حال میں ہیں یارانِ وطن

اور پھر برتن کھنکنے لگے اور بجلی کے چولھے کی سائیں سائیں ہونے لگی اور ٹبل سجنے لگے. میں جلدی سے نماز مغرب سے فارغ ہوا اور حکم ہوا کہ جلدی سے ناشتہ کر لو کیونکہ پھر جلد ہی کھانا کھانا ہے ۔ ہرلسین برگ سے ریحانہ آئیں گی اور بس صرف کھانا ہوگا اور پھر ہرلسین برگ کو روانگی ۔ میں کھانے پینے کا اتنا عادی نہیں شوقین نہیں متحمل نہیں ـــ لیکن وہاں شوق کو کون دیکھتا ہے،

www.taemeernews.com

اور تحمل کو کون خاطر میں لاتا ہے ۔ ناشتہ کرنا ہی پڑا اور برادرم حسین امام کی دلہن سراپا محبت ، سراپا خلوص سراپا اخلاق ۔۔۔

گلستاں سے جو کوئی وادیٔ غربت میں آنکلا
تو لپٹے دوڑ کر اُس کو سمجھ کر ہم وطن اپنا

اور پھر ۔۔۔ گاڑی کی ہلکی آواز آئی ۔۔۔ اور میں بیتابی سے ٹھنڈک میں باہر نکل آیا ۔ اور بڑی کاڈی لاک سُرخ گاڑی سے ریحانہ مانو اور سب بچے بچیاں ۔ اور کوٹ پہنے کوٹ کے کالر سے کان چھپائے کچھ مسکراتے کچھ ہنستے ۔ سوا سو میل کی مسافت طے کر کے بھی ہشاش بشاش نمودار ہوئیں ۔ حسب معمول اپنی صوفیانہ ساڑی پر کملی نما چسٹر پہنے ہوئے ریحانہ امریکی فضا میں خالص مشرقی کردار کا نمونہ بنی ہوئی آکر مسکراتی ہوئی گلے سے لپٹ گئی ۔۔۔ ابھی فوراً ۱۲۵ سو میل کا سفر کر کے پھر ہرسین برگ ہم سب لوگ کو واپس بھی ہونا ہے ۔

آٹھ بج چکے تھے ۔ کچھ باتیں ہوتی رہیں ۔ ریحانہ برادرم حسین امام کی دلہن کو ہرسین برگ آنے کی دعوت دے رہی تھی اور میاں مانو حسین امام سے یوں مخاطب تھے جیسے برسہا برس پہلے گذرے ہوئے لڑکپن سے ہی دانٹ کاٹی روٹی والی دوستی ہے حالانکہ دوستی کرانے والے ہم ہی ہیں ۔۔۔ اور اس دوستی کو ماہ دو ماہ مشکل سے گذرے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ اور وہ "ارے یار ارے یار" کہے جا رہے تھے

پھر ہم لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی ۔ کھانا کھایا ساڑھے نو بج چکے تھے ۔۔۔ واشنگٹن ایرپورٹ پر میں جب اترا تو اپنی ڈائری جس میں کچھ پیسے اور تمام پتے اور ٹیلیفون نمبر تھے ۔ ٹیلیفون بوتھ پر کھول کر حسین امام کا

www.taemeernews.com

ٹیلیفون نمبر دیکھا۔ خانے میں پیسے ڈالے باتیں کیں۔ اور ڈائری اُسی پر چھوڑ کر چلا آیا۔ یہاں آنے کے بعد اس کی یاد آئی۔ جی دھک سے ہو گیا پیسوں کا تو خیر زیادہ غم نہیں تھا۔ مگر پتوں کے کھو جانے اور نمبروں کے گم ہو جانے کا افسوس بہت تھا، چنانچہ ایرپورٹ ہوتے ہوئے ہرسین برگ جانے کا مشورہ ہوا۔ دس بجے کے قریب ایرپورٹ پہونچا۔ سب بوتھ دیکھ لئے۔ سناٹا بھی ہو رہا تھا کہیں ڈائری کا پتہ نہیں چلا۔ مانو نے کہا چل کر پولس کے دفتر میں دیکھنا چاہیئے ـــــ ایرپورٹ کی عمارتوں کے اندر ہی پچاس قدم پر پولس کا دفتر تھا۔ لمبے کاؤنٹر کے پیچھے دو تین افیسر شہری لباس میں اور دو ایک پولس کی وردی میں بیٹھے تھے۔ مانو میاں نے واقعہ بیان کیا تو ایک افسر نے ڈائری کی شکل صورت سائز ضخامت وغیرہ کی تفصیل پوچھی۔ میں نے رنگ سائز موٹائی ـــــ کچھ تفصیل سے بتایا اس نے ایک الماری کھولی اور پچاسوں ڈائریاں اسی رنگ اسی سائز اور تقریباً ملتی جلتی شکل وصورت کی میرے سامنے رکھدیں ـــــ اور میری آنکھ پھٹی کی پھٹی رہ گئی، ـــــ اللہ اللہ اس خاموش پرسکون ملک میں پس پردہ کتنا کیا کیا ہوتا ہے۔ صرف گم شدہ اور چرائی ہوئی ڈائریاں ایک شکل وصورت کی اتنی تھیں ـــــ اور مختلف سائز اور تفصیل کی خدا جانے کتنی ڈائریاں ہوں گی اور یہ تو صرف ڈائریاں ہیں۔ خدا جانے کتنے قسم کے سامان .... کتنی الماریوں میں پڑی ہوئی مالکوں کا انتظار کر رہی ہوں گی۔ بہرحال انہیں میں میری ڈائری بھی مل گئی ـــــ جس پر بڑے اہتمام سے لمبی چٹ چسپاں کر کے ڈائری کے اندر سے میرا نام پڑھکر لکھ دیا گیا تھا۔ کہاں ملی کسی وقت ملی وقت تاریخ سب کچھ اس پر

www.taemeernews.com

لکھا ہوا تھا، مجھ سے ایک رجسٹر پر دستخط لیا گیا اور چند منٹ میں ہم لوگ فارغ ہو کر کار پر سوار ہو کر سوا سو کیلو میٹر کی رفتار سے رات کے سناٹے میں تقریباً گیارہ بجے شب میں ہرلسین برگ روانہ ہوئے۔ اور راہ میں دو ایک جگہ ٹھہر کر کافی اور چائے پیتے، ستاتے گراتے دو ڈھائی گھنٹے میں ہرلسین برگ پہنچ گئے۔

امریکہ کا رقبہ ہندستان سے چار گونہ بڑا ہوگا، اور آبادی شاید چوتھائی ہوگی۔ ہندستان کی طرح ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف مقامات پر مختلف موسم ہوتے ہیں اور روزانہ دو تین وقت ٹیلیویژن پر ملک کا پورا نقشہ دکھایا جاتا ہے۔ اور بہت تفصیل سے ملک کے مختلف شہروں اور مقامات کے موسمی حالات، درجۂ حرارت، ہواؤں اور بارش کی رفتار۔ ان کا درجہ، مقدار اور وزن بتایا جاتا ہے اخبارات بہت نکلتے ہیں۔ اور کوئی اخبار بیس۲۰ پچیس۲۵ تیس۳۰ لمبے چوڑے صفحات سے کم نہیں ہوتا۔ اور دنیا کا کوئی روزمرہ کا موضوع نہیں ہے جس کی اطلاع اور مختصر تفصیل اور تصویریں اخبار میں نہ ہوں۔ ہمارے معیار اور معتقدات کے اعتبار سے اچھی بھی اور بری بھی۔ اخلاقیات بھی اور مخرب الاخلاق موضوعات بھی۔ سیاست وہاں انسانوں کی گھٹی میں ہے لیکن باہر سے آنے والوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ اگر ٹیلیویژن اور اخبار نہ ہوں تو کوئی حالات سے واقف نہیں ہو سکتا۔ نہ یہاں جلسے ہوتے ہیں نہ جلوس، نہ ہوٹلوں میں، قہوہ

www.taemeernews.com

خانوں میں، شراب خانوں میں کلب میں، سیر گاہوں میں کوئی تقریر ہوتی ہے نہ مباحثہ ہوتا ہے نہ مناظرہ ہوتا ہے۔ نہ سڑکوں پر ٹولیاں ہوتی ہیں نہ کہیں زور سے گفتگو ہوتی ہے۔ میں نے بازاروں میں، اسٹیشنوں پر۔ ایرپورٹ پر ہوٹلوں میں۔ بڑے بڑے اسٹور میں کسی کی تیز آواز نہیں سنی لوگ گفتگو یوں کرتے ہیں۔ جیسے سرگوشیاں کی جاتی ہیں۔ دوران گفتگو ہم لوگ جس طرح سر ہلاتے ہیں مختلف انداز میں ہاتھوں کو بدن کو حرکت دیتے ہیں یہ چیزیں وہاں نظر نہیں آتیں۔ دفتروں میں خاموشی سے کاؤنٹروں پر کام ہوتا ہے۔ لوگ قطار سے بیٹھتے ہیں اور اپنے نمبر کے اعتبار سے کاؤنٹر پر جاتے ہیں، کوئی جلد بازی نہیں کرتا۔ آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا ــــ سڑکوں پر کاروں کی قطار اتنی ہوتی ہے اور بیک وقت کتنی قطاریں ہوتی ہیں۔ مگر نہ ہارن بجتا ہے نہ مشین میں تیز آواز ہوتی ہے ــــ میں نے دو ڈھائی ماہ کے دوران قیام میں روزانہ میلوں کا سفر کیا۔ لیکن کوئی گاڑی دوسری گاڑی سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتی۔ تا آنکہ کوئی ایسی ہی دقت اور ضرورت نہ ہو۔ ہارن کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ہارن بجانا گویا بدتہذیبی ہے، بیک وقت ایک شاہ راہ پر چھ چھ آٹھ آٹھ قطاریں گاڑیوں کی تیز رفتار سے چلتی ہیں ــــ امریکہ میں ڈرائیونگ ایک باضابطہ علم اور فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر موٹی موٹی ضخیم کتابیں ہیں ــــ اس کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی ادارے ہیں۔ جہاں ڈرائیونگ سکھایا جاتا ہے اتنے قوانین ہیں۔ اصول ہیں، ضابطے ہیں آداب ہیں کہ برسوں گذر جاتے ہیں تب اس میں مہارت ہوتی ہے۔ سڑکوں پر ٹریفک کنٹرول کے اتنے نشانات بنے ہوتے ہیں.... اتنی قسموں کی علامتیں

www.taemeernews.com

بنی ہوتی ہیں کہ انہیں یاد رکھنا ہی حافظے کی کرامت ہے شاہ راہوں پر کسی سے غلطی ہو جاتی ہے یا ہونے والی ہوتی ہے یا ہو رہی ہوتی ہے تو اغل بغل کی کسی کار سے اتنی آہستہ ہلکی سی ہارن کی آواز ہوتی ہے کہ کار ڈرائیو کرنے والا ہی سن سکتا ہے۔ اور وہ فوراً اپنی غلطی محسوس کر لیتا ہے اور فوراً اس کی تلافی کرتا ہے اور پھر دونوں یعنی غلطی کرنے والا اور غلطی پر متنبہ کرنے والا۔ ایک دوسرے کو اشارے سے سلام کرتے ہیں مسکراتے ہیں شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہرسین برگ میں تقریباً ایک ہفتہ میرا قیام تھا۔ پھر وہاں سے واشنگٹن ہوتے ہوئے نیویارک اور نیویارک سے قاہرہ ہوتے ہوئے جدہ کو روانگی تھی۔ میرا سوٹ کیس خراب ہو گیا تھا۔ اس کا زپ ٹوٹ گیا تھا۔ اور میں اسے پلاسٹک کی ڈوری سے باندھ لیا کرتا تھا ریحانہ نے بہت اصرار کیا کہ آپ دوسرا سوٹ کیس خرید لیجئے۔ میں انکار کرتا رہا۔ مگر وہ ایک دن خرید کر لیتی ہی آئی ــــــ میں دیکھ کر حیران ہو گیا معلوم ہوا کہ یہ سب سے ارزاں ہے اور شاید دبیز گتے یا پتلی لکڑی کا تھا۔ اور صرف اٹھارہ ڈالر یا شاید بیس ڈالر کا تھا یعنی تقریباً پونے دو سو روپے کا، مگر اتنا حسین کہ صرف دیکھتے رہیئے میں نے کہا کہ۔ لوگ سفر میں، پہلے مرا سوٹ کیس دیکھیں گے پھر میری شکل دیکھیں گے۔ اور دونوں میں اتنا فرق اور تضاد دیکھکر مسکرائیں گے۔ نا بی بی۔ تم میرا یہی رسی سے بندھا ہوا سوٹ کیس رہنے دو۔ اور یہی ہوا۔ وہ ہزار اصرار کرتی رہی میں انکار ہی کرتا رہا۔ آخر اس نے غصے میں مکان کے تہہ خانے میں اسے ڈال دیا، خدا جانے وہ سڑ گیا۔ کیا ہوا۔

ایک دن ہم سب وہاں سب سے بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹورز میں گئے۔

www.taemeernews.com

جو میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ وہ ایک ڈپارٹمنٹ اسٹور کیا تھا گویا بڑا مارکٹ تھا۔ اسٹور کے سامنے بہت بڑے میدان میں گاڑیاں پارک کرنے کے نشانات بنے ہوئے تھے، عصر کا وقت گذر رہا تھا میں نے کہا آپ لوگ اندر جائیں۔ میں یہیں پر نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ میرا مصلیٰ ہمیشہ ساتھ رہتا ــــ ایک ایسی جگہ دیکھ کر جہاں گاڑیوں کے درمیان کشادہ جگہ تھی، اپنا مصلی بچھایا اور نماز شروع کر دی۔ شروع کرتے ہی ترشح شروع ہوگیا۔ اور ایک جوڑا امریکن عورت اور مرد کا مارکیٹنگ سے فارغ ہو کر اسی کار کو نکالنے آیا جس کے آگے میں نے نماز شروع کر دی تھی، عورت کار میں داخل ہوگئی اور مرد نے اپنی چھتری کھول کر مجھ پر سایہ کر لیا۔ میں نے نماز ختم کر لی اور نہایت خفت محسوس ہوئی اسی درمیان ترشح ختم بھی ہوگیا اور وہ عورت بھی کار سے باہر نکل آئی۔ میں معذرت کرنے لگا کہ میری وجہ سے انہیں اپنی کار نکالنے میں تاخیر ہوئی، تکلیف ہوئی۔ مرد نے کہا

"آپ عبادت کر رہے تھے؟ ــــ کیسی آسانی کیسی بے تکلفی اور کتنی سادگی ہے اس عبادت میں"

میں چونکہ بہت بے تکلفی سے ان کے لہجے میں گفتگو نہیں کر سکتا اور اس لیے بھی کہ اس کے اِن بے ساختہ الفاظ نے میرے دل میں ہیجان پیدا کر دیا اور آنکھیں نم ہوگئیں۔ میں شکریہ کے علاوہ اور کچھ کہہ نہ سکا۔ میں نے نم دیدہ آنکھوں کے ساتھ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے گرم جوشی سے دبایا اور عورت نے ذرا خم ہو کر شام کا سلام کیا۔ وہ اُدھر کار میں گئے اور میں اسٹور کی طرف۔

امریکہ میں، اسٹیشنوں، دفتروں، ایرپورٹ اور ڈپارٹمنٹ اسٹور

www.taemeernews.com

کے تمام دروازے شیشے کے اور خود کار ہوتے ہیں۔ جو قدموں کی چاپ سے ہی کھل جاتے ہیں اور داخل ہوتے ہی خود بخود بند ہو جاتے ہیں۔ داخل ہونے اور باہر نکلنے کے الگ دروازے ہوتے ہیں۔ میں جب دروازے سے اندر داخل ہونے لگا تو ایک صاحب اپنی بیوی کے ساتھ داخل ہو رہے تھے۔ میری نظر ان پہ پڑی ان کی مجھ پر۔ میں نے بھی کچھ سمجھا اور انہوں نے بھی اور تینوں مسکرائے۔ پھر میں نے معانقہ کے لئے ہاتھ بڑھایا ـــــ میں نے کہا، "آپ ہندستانی ہیں؟" بولے ـــــ ہاں میں بنگلور کا ہوں ـــ پھر میں نے دیکھا کہ ان کی بیگم کی ناک میں چمکیلے ہیرے کی کیل تھی - - یہ مشرقی علامت اور کہاں ہو سکتی ہے میں نے پہلے انہیں ایک امریکن سمجھا تھا۔ مگر خاک، خون، رنگ اپنا الگ رشتہ رکھتے ہیں۔ خاک بھی پہچان میں آجاتی ہے، خون بھی رنگ بھی مجھے کتنی خوشی اس مقام پر ایک ہندستانی سے مل کر ہوئی، جہاں پورے شہر میں صرف دو ہندستانی ہیں۔ اور ایک فلسطینی - اور وہ بھی میری شیروانی اور پاجامے میں اپنے وطن، کی خوشبو، اپنے وطن کا نغمہ اپنے وطن کی پکار سن کر کس قدر مست ہوئے اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بھی اور ان کی بیوی بھی پام پاٹ کھلے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں سامنے میں ہوں اور میرے پیچھے دوسرے آنے والوں کا ایک ہجوم اور وہ امریکہ میں مدتوں رہکر وہاں کی تہذیب اور آداب سے پوری طرح واقف ہو کر اس وقت بالکل ہندستانی بن گئے اور ذرا بھی پروا نہیں ہوئی کہ وہ دوسروں کے داخل ہونے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ ایک منٹ کے بعد انہیں اس کا احساس ہوا اور پھر معذرت کے کلمات کہتے ہوئے ایک طرف کنارے ہوئے، اور لوگ اندر جا چکے تو کھڑے ہو کر

www.taemeernews.com

مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ پھر وہاں نہ ہرسین برگ رہا۔ نہ امریکہ رہا۔ چشم زدن میں وہ سات سمندر پار پہونچ گئے، کھجوروں کے جھنڈ میں ناریل کے درختوں کی قطار میں۔ چاولوں کے دیس میں، مونگ پھلیوں کے بازار میں زمین انسانوں سے اپنا رشتہ نہیں توڑتی۔ اور انسان بھی اپنی زمین کی خوشبو نہیں بھولتا، رشتۂ ہموطنی بڑا مضبوط رشتہ ہے۔ اکثر اس میں مذہب کا فرق، نسل کا فرق بھی رکاوٹ نہیں بنتا۔ ان کے اور ان کی بیوی کے چہرے پر جنار رنگ اور روغن امریکہ کی راحت اور آرام کی زندگی نے برسوں میں چڑھایا تھا اُس سے زیادہ رنگ چند منٹ کے لئے ایک ہموطن کی بے ساختہ ملاقات نے ان کے لب وعارض اور پیشانی پر بکھیر دیا اور وہ زیادہ اعتماد اور توانائی کی چال سے اسٹور میں داخل ہوئے اور شاید یہ تازہ حاصل شدہ گرمی اور حرارت دیر تک انکے سینوں میں باقی رہی ہوگی اور وہاں کی برف باری اور منجمد کرنے والی ہواؤں پر وہ کئی دنوں تک طنز کرتے ہوئے گذرے ہوں گے۔

میری واپسی کے دو دن دعوتوں میں گذرے۔ ایک دن افضل خانصاحب حیدرآبادی کے یہاں جو ہرسین برگ یونیورسیٹی میں کامرس کے پروفیسر ہیں شام کا کھانا تھا۔ امریکہ میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، انسان کو عافیت کی زندگی بسر کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔ ہاں عاقبت کی زندگی بنانے میں بڑی دشواری ہے، روٹی کپڑا اور مکان کی کوئی کمی نہیں، زر زمین اور زن کوئی مسئلہ نہیں۔ وہاں ہر ڈھونڈھنے والے کو روز نئی دنیا مل سکتی ہے اور ملتی ہے — ہر کھانے والے کو من وسلویٰ۔ ہر نیند کے مارے کو چھپر کھٹ، ہر چاہنے والے کو محبوب۔ ہر رند بادہ کش کو شب ماہ اور ساقیٔ مایوش مل جاتا

www.taemeernews.com

ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جائز اور ناجائز دونوں راستے ہیں ـــــ لیکن وہاں ناجائز راستہ بمجبوری نہیں اختیار کیا جاتا جیسا کہ عام تصوری ہے ۔ امریکہ تو ایک تجربہ گاہ ہے اہلِ نگاہ اور اہلِ بصیرت کے لئے ـــــ جہاں شکرانِ نعمت کم ہے کفرانِ نعمت بہت زیادہ ہے ۔ اور یہ کفرانِ نعمت افتادِ طبیعت بن گیا ہے ، خاصۂ مزاج بن گیا ہے ۔ جن کے پاس زن ، زمین ، زر ہے وہ بھی انہیں حاصل کرنے کے لئے بدترین جرائم کرتے ہیں ، جرم کر کے حاصل کرتے ہیں ۔ پھر پھینک دیتے ہیں ۔ اور پھر حاصل کرتے ہیں ۔ خوشی کے سامان ہیں ، راحت کے سامان ہیں ، لیکن خوشی راحت کے اثرات نہیں ۔ پھول دامن میں مگر پھول کی خوشبو کی مستی نہیں ـــــ بہرحال تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہاں صرف خواہش چاہیئے ، اسے حاصل کرنے کے وسائل ہیں ۔ ان وسائل کے ذریعہ چیزیں سامان حسب خواہش ملتی ہیں ـــــ ہمارے یہاں کسی کو مکان خریدنے کی خواہش ہے ۔ تو کتنوں کی عمریں گذر گئیں ۔ حسب خواہش مکان نہیں ملا ۔ برسوں گلیوں گلیوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں ـــــ خود کوشش کرتے ہیں ۔ دلال لگاتے ہیں ۔ اول تو ملتا نہیں ، مشکلوں سے ملتا بھی ہے تو چاہتے کیا ہیں ملتا کیا ہے ؟ ـــــ امریکہ میں امریکن حضرات کو چھوڑئے ، ہمارے ہندی اور پاکستانی احباب بھی ۔ جب چاہیں نوکری بدل لیں ۔ جب چاہیں بیوی بدل لیں ۔ جب چاہیں مکان بدل لیں ـــــ خیر الحمد اللہ بیوی بدلنے کا حادثہ تو نہیں ہوتا ۔ مگر نوکری اور مکان بدلنے میں کوئی دقت نہیں ۔ مکان خریدا ۔ کچھ دنوں رہے ۔ طبیعت اکتا گئی یا ضرورت بڑھ گئی ۔ اسے بیچ دیا دوسرا خرید لیا ۔ اس خرید و فروخت میں فائدہ ہی ہو جاتا ہے نقصان کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ بیچا دینا اور کچھ گنوا کر ۔ مکان بیچ لینا خرید لینا ایک

www.taemeernews.com

تفریح بھی ہے۔ نوکری چھوڑ دینا دوسری کر لینا ایک خوش طبعی بھی ہے۔ بہرحال تو ڈاکٹر پروفیسر افضل خان صاحب اپنے نئے مکان میں۔ ایک بہت دلکش فضا میں سکون کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہاں مکانوں کی ساخت میں بھی وہ نوعیت نہیں رہتی جو ہمارے یہاں ہوتی ہے کہ دروازے سے داخل ہوتے۔ تو قطار سے کمرے ہیں۔ سائبان ہیں آنگن ہیں۔ وہاں سائبان اور آنگن نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ کمرے ایک سطح پر نہیں ہوتے۔ ایک کمرہ دروازے کی سطح پر ہے تو دوسرا اس سے آٹھ فٹ اونچا۔ باورچی خانہ ایک سطح پر ہے تو ڈرائنگ ہال آٹھ فٹ نیچے ہے، انسان گھر کے اندر رہ کر بھی پہاڑی زندگی کا لطف اٹھاتا ہے، جیسے پہاڑوں پر مکان کا پورا حصہ ایک ہی سطح پر نہیں ہوتا جیسے دریا میں موجیں اٹھتی ہیں اور گرتی ہیں مکانات کے اندر سمندر کی موجوں کے اتار چڑھاؤ کا نقشہ رہتا ہے۔ ڈاکٹر افضل خان صاحب کے یہاں دروازے سے داخل ہوتے ہی آٹھ دس سیڑھیاں چڑھ کر مشترکہ ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم میں آئے۔ ان کی بیگم جو چند ہی دن پہلے حیدرآباد سے آئی تھیں مشرقی لباس میں پوری ہندستانی تھیں۔ اور بات چیت میں بھی مشرقی ادب اور تہذیب شائستگی اور سنجیدگی کا نمونہ وضع بھی مشرقی طرز و انداز بھی مشرقی اور کھانا بھی مشرقی۔

وہاں اہتمام میں کوئی تکلف تو ہوتا نہیں۔ سامان سب گھر میں موجود۔ اور تمام چیز بنانے کی مشین موجود۔ آپ آٹے سے ڈبل روٹی بھی پکا لے سکتے ہیں، کیک بھی بنا لے سکتے ہیں ایپل پائی بھی بنا سکتے ہیں پیزا بھی بنا سکتے ہیں اور نان خطائی بھی نمک پارے بھی چپاتی بھی۔ دستی روٹی بھی۔ اسی طرح گوشت سبزی دودھ ہر چیز کی ہر چیز بنانے کی مشین موجود ہے۔ تھوڑی دیر میں سب کچھ بن کر تیار اور

www.taemeernews.com

دسترخوان پر موجود۔ ہمارے یہاں ایک دو مہمان بھی آئیں، تو خاطر کیلئے۔ کم از کم رات دن تو سامان بنانے میں لگ ہی جاتے ہیں اور مشقت کا کیا پوچھنا۔ وہاں نو گھنٹے دو گھنٹے میں ذرا سی مشقت پر سب کچھ تیار ہو جاتا ہے ۔۔ افضل صاحب کی بیگم نے ضیافت کا اندازہ رکھا تھا کہ بھائی ہندستان سے بھوکا بنگالی آیا ہے۔ بچارا وہاں کیا کھاتا ہوگا۔ میرا مہمان آیا ہے خاطر میں اور سیری میں اور آسودگی میں اور لطف میں اور ذائقہ میں اور نرمی میں لذت میں لطافت میں نزاکت میں اُسے ڈھانک دو ڈبو دو تیرا دو بہا دو۔ اور واقعہ یہ ہے کہ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد ہر شخص کو یہ احساس ہوتا ہے کہ

صحن گلشن میں یہ ہو چکے مجھے حیرانی ہے
گل سے لپٹوں کہ ملوں بادِ صبا سے پہلے

کیا کھائے کیا نہ کھائے ـــــ غالب نے آرزو کی تھی کہ "دل بھی یارب کئی دیے ہوتے" ـــ اور حقیقتاً ایسے موقعوں پر آرزو ہوتی ہے کہ منہ بھی یارب کئی دیے ہوتے۔ اور پیٹ بھی یارب کئی دیے ہوتے اور ہاتھ بھی یارب کئی دیے ہوتے۔ لیکن بیچارے غالب کی آرزو پوری نہیں ہوئی تو اور کون ایسا اللہ میاں کا منہ چڑھا ہے جو اپنی آرزو منوائے ـــ بہرحال تو یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا کہ احقر مرحوم بے چارے نے صرف طرزِ سخن کو چھوڑا تھا۔ لیکن بلبل نے تو موسم گل جاتے ہی چمن ہی کو چھوڑ دیا تھا ـــ ایک زمانہ تھا جب کھانے کا بھی خوب شوق رہا۔ اور خوب کھایا۔ بقول شخصے۔ چاندی کے پیالے میں سونے کے چمچے سے کھایا۔ سمات بھی کھایا اور کھچڑی بھی۔ پلاؤ بھی اور بریانی بھی۔ [illegible] تھیں۔ جب چیزیں اتنی نہ تھیں۔ کھانوں کی صورتیں اتنی نہ تھیں ایسی

www.taemeernews.com

بات نہیں ـــ قسمیں بھی اس وقت اتنی تھیں کہ اب تو لوگوں کو نام بھی یاد نہ ہوں گے۔ لیکن قسموں کو اور قسموں کے ناموں کو چھوڑیئے ـــ بھات میں جو مزا تھا وہ بریانی میں نہیں ـــ ارہر کی دال میں جو لذت تھی وہ قورمہ میں نہیں۔ ساگ میں جو ذائقہ تھا وہ اب نرگس کباب میں کہاں ان کھانوں کی ذائقہ یاد ہے، خوشبو یاد ہے۔ ان کھانوں کا حسن یاد ہے۔ ان کی تاثیر اور ان سے پیدا ہونے والی آسودگی اور سیری یاد ہے۔ اور ان آسودگیوں کی اور سیریوں کی یاد میں دل اتنا آسودہ، سیر اور مستغنی ہو گیا ہے کہ آج کے اچھے سے اچھے کھانوں کی رغبت جاتی رہی۔ بلکہ یوں کہئے اور یوں سنئے کہ دل ان سے ٹوٹ گیا۔ اور احقر نے جو کہا تھا وہ اب ہم کہتے ہیں کہ

اب اور کسی کو کیا دیکھیں نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں
آنکھوں پہ تری صدقہ کر کے جنگل میں ہرن کو چھوڑ دیا

چنانچہ دسترخوان پر جاتا ہوں تو اپنے پسند کی سیدھی سادی چیز ڈھونڈی نہ ملی تو جو سامنے آیا دو چار لقمے کھا کر ہاتھ کھینچ لیا ـــ اور افضل صاحب حیران، اور ان کی بیگم حیران کہ یہ کیا ہے؟ ـــ میں نے ان سے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے یہ پاگل پن ہے اور ایسا پاگل پن جو بجھانے سے اور منطق کی گتھیاں سلجھانے سے دور نہ ہوگا۔

جدا دیوانہ پن اب ایسے دیوانے سے کیا ہوگا
مجھے کیوں لوگ سمجھاتے ہیں سمجھانے سے کیا ہوگا

یہ پاگل پن نہیں ہے؟ ـــ کہ آج سولہ اور اٹھارہ روپے کیلو کے بناسپتی گھی میں پکی ہوئی کچوریاں کھا کر آٹھ آنے کیلو کے سرسوں کے تیل میں تیار کی ہوئی

www.taemeernews.com

کچوری کا مزا یاد آجائے، خوشبو یاد آجائے اور ایسا معلوم ہو کہ لقمہ منھ سے باہر نکل آئے گا ــــ لیکن لقمہ حلق کے اندر کرنا ہی پڑتا ہے اور آنسو کے قطرے کو باہر آنا ہی پڑتا ہے ــــ کبھی جب پندرہ آنے سیر ملتا تھا۔ اس وقت کی دوستی روٹی اور تہہ دار روٹی کی خوشبو اب بھی ناک میں ہے۔ اور باسی روٹی جب رہ جاتی تھی تو صبح کو اس کے پرت کے پرت الگ ہو جاتے تھے۔ اور زبان پر لقمہ رکھتے ہی گھل کر حلق کا جزو ہی نہیں بنتے تھے شاید فوراً جسم اور روح کا جزو بن جاتے تھے اس لئے کہ وہ روٹیاں مغرب کی نماز پڑھ کر بنائی جاتی تھیں اور عشاء کی نماز پڑھ کر فوراً دسترخوان بچھا کر کھائی جاتی تھیں۔ دو نمازوں کا نور ان میں ہوتا تھا اور ان کو وہ ہاتھ لپکاتے اور سینکتے تھے جو کلائیوں تک بٹن دار آستینوں میں چھپے رہتے تھے۔

مختصر یہ ہے کہ کھانا اب ذوق اور لذت سے نہیں کھاتا ہوں۔ اور بہت سیر ہو کر بھی نہیں کھاتا اس لئے میرے میزبان پہلے سمجھے کہ میں شرما رہا ہوں تکلف کر رہا ہوں ــــ لیکن پھر جان گئے کہ یہ تکلف نہ تھا بے تکلفی تھی۔ ناز نہیں تھا نیاز تھا۔

دوسری دعوت فلسطینی عرب انجینئر کے یہاں تھی، میری بھانجی کے مکان سے تقریباً آٹھ دس میل دور ــــ پہاڑی نشیب و فراز اور جھاڑیوں سے گذرتی ہوئی پیچ و خم کھاتی ہوئی سڑک نے سڑک سے باہر ایک وسیع قطعہ اراضی پر موٹر کو پہونچایا۔ حدنگاہ تک زمین ہی زمین، دور دور پر بہت دور دور پر ایک مکان یہاں ایک وہاں ــــ فلسطینی عرب کا مکان تقریباً دس بارہ بیگھہ اراضی کے رقبے کے اندر تھا۔ مکان تیار کہاں تھا تیار ہو رہا تھا ــــ اور فلسطینی انجینئر ہاتھوں میں اوزار لئے ہوئے دیواروں میں تختے ٹھونک رہے تھے ــــ مکان بنے بنائے فریموں

www.taemeernews.com

کی شکل میں ملتے ہیں ۔ اپنی پلاننگ اور ضرورت کے اعتبار سے انہیں کم و بیش کر کے تعمیر کر لیتے ہیں ـــ بیشتر کام صاحبِ مکان اور صاحبۂ مکان خود اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ کچھ دنوں میں مکان تیار ہو جاتا ہے۔ اندر مکانیت کا قرینہ دیکھ کر ایک بندھی ٹکی منظم اور مرتب زندگی کا تصور ابھر آتا ہے۔

فلسطینی عرب مسلمان انجنیر۔ ایمان اور یقین کا پختہ تھا۔ اپنے وطن کی محبت اور اس وطن پر غیروں کے غاصبانہ قبضے کی نفرت سے سرشار دیر تک مجھ سے باتیں ہوتی رہیں، امریکہ کی پر آسائش زندگی نے دل سے وطن کی جدائی کی خلش کم نہیں کی تھی ـــ بار بار گفتگو کا رخ ادھر ہی منتقل ہو جاتا ـــ گھر میں مصلی بھی قرینے سے رکھا ہوا تھا ـــ نماز سے فارغ ہو کر ہم لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے۔ کھانا مغربی اور عربی ذوق اور روایتوں کا امتزاج تھا۔ باتیں زیادہ ہوتی رہیں کھانا کم رہا۔ دسترخوان پر ایک چیز فلسطینی میزبان کی یاد رہی ـــ میں نے چائے بغیر دودھ کی ہلکی مانگی ـــ چائے آئی تو اس نے شکر ڈالنے سے مجھے روکا۔ ایک بڑی شیشی لائی جس میں شہد تھا۔ شاید اس کے وطن کی سرزمین ہی کا ہو، دو چمچے شہد کے اس نے چائے میں ڈال دئے ـــ اور کہا کہ ہر دوسری پیالی میں شہد کی مقدار بڑھاؤ۔ جس طرح علم کا ذوق ہر سبق کے بعد بڑھتا ہے ـــ شہد کا ذائقہ ہر پیالی کے بعد بڑھتا جائے گا ـــ اور میں نے اسے محسوس کیا خدا جانے شہد ہی کی خاصیت تھی یا اس فلسطینی کا تصرف روحانی تھا ـــ میں دونوں تسلیم کرتا ہوں یقینی دونوں باتیں تھیں۔

فلسطینی عرب کی بیوی۔ گرچہ خاص عربی اسکرٹ میں ملبوس تھی۔ مگر رنگ اور لباس انگریزوں سے ملتا جلتا ہونے کے باوجود شخصیت اور کردار میں زمین

www.taemeernews.com

و آسمان کا فرق ـــ چہرے پر ایک خاص جلال اور آنکھوں میں ایک مخصوص نسائی حجاب اور گفتگو میں ایک نمایاں وقار اور گرم جوشی میں وہ خاص عربی انداز جو روح کی سادگی اور عزم و ارادے کی بلندی سے پیدا ہوتا ہے ـــ کہنے لگی میں کل آؤں گی اور اپنی موٹر پر آپ دونوں کو سیر کراؤں گی اور مارکیٹنگ کراؤں گی ـــ مارکیٹنگ سے مراد تحفے تحائف کی پیش کش تھی ۔ میں نے شکریہ ادا کیا ـــ اور کہا میں کل واپس جا رہا ہوں ـــ یہ سیر اور مارکیٹنگ انشاء اللہ آئندہ سفر کے لئے موخر کیجئے ـــ وہ کچھ اداس اور غمگین ہو گئی ۔

ہرلسن برگ سے ہماری روانگی صبح ناشتہ کے بعد ہوئی ۔ بڑی کار پر ۔ ریحانہ کا پورا خاندان ساتھ چلا ۔ دس بجے کے بعد واشنگٹن برادرم حسین امام کے مکان پر پہونچے جہاں دن کا کھانا تھا ۔ آتے ہی واشنگٹن کے احباب کے ٹیلیفون آنے لگے ۔ طفیل صاحب ۔ سکندر اعظم صاحب رشید صاحب ۔
"بھائی اب تو سب کے یہاں حاضری محال ہے ـــ ایک بجے نیویارک کے لئے پلین ہے دس بج چکے ہیں ـــ کھانا کھانا ہے ۔ پھر یہاں سے دس پندرہ میل ایرپورٹ کا سفر ہے"
ـــ "اچھا تو ہم لوگ ایرپورٹ پر ہی آتے ہیں"
"سوائے اس کے اور کوئی صورت ملاقات کی تو نہیں ہے"
لیکن حسین امام صاحب کے مکان سے نکلتے نکلتے بارہ بج گئے ، روانہ ہوتے ہوتے سوا بارہ ـــ کار چلی تو راستے راستے ٹریفک جام ایک بجے میں دس پانچ منٹ تھے کہ ایرپورٹ پہونچے ـــ سب انتظار کرتے تھک کر یہ

www.taemeernews.com

نہ سمجھ چکے تھے کہ شاید اڑان آج ملتوی ہوئی طفیل صاحب۔ سکندر اعظم۔ انکی بیگم۔ اور کئی احباب ۔۔ بس اشارے سے سلام ہوا۔ کسی سے مصافحہ ہوا کسی سے نہیں ہو سکا۔ ریحانہ سے بھی بغل گیر نہ ہو سکا۔ بس سلام ۔ خوش رہو ۔۔ اور بھاگم بھاگ ہوائی جہاز پہ ۔ میں آخری مسافر تھا۔ داخل ہوتے ہی پلین کا دروازہ بند ہو گیا، اور جہاز چل پڑا۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی نیویارک ایر پورٹ پر تھا ۔۔ واشنگٹن سے ٹیلیفون پر انور حسین صاحب اور غضنفر امام وغیرہ سے بات ہو چکی تھی ۔ غضنفر نے کہا انور صاحب ایر پورٹ پر جائیں گے ۔۔ میں گھر پر منتظر رہوں گا ۔۔ میں انور صاحب کو پہچانتا نہیں مگر خیر میں کسی کو نہ پہچانوں مجھے پہچاننے میں کسی کو کیا دیر لگ سکتی ہے، نرغے میں کافروں کے اکیلا امام ہوگا۔ چنانچہ میں اپنا سامان اکٹھا ہی کر رہا تھا کہ۔ سلام علیکم ۔۔ ایک مستعد اور چاق چوبند جوان سامنے کھڑا ہے ۔۔

انور حسین صاحب۔ میجر آفتاب حسن کے داماد ۔۔ بہت روشن خیال۔ بہت چست چالاک ۔ بہت بے تکلف ۔ بہت محنتی اور مستعد: بہت خوش خلق ۔ عزم وارادے کے بہت پختہ ۔ کٹر مسلمان اور کٹر بہاری ۔ اپنی صفات کی وجہ کر نیویارک کے ہندستانیوں اور پاکستانیوں میں بہت مقبول اور محبوب ہیں۔

کچھ سامان انہوں سے اٹھایا ۔ کچھ میں نے ۔ ایر پورٹ سے باہر سڑک پر نکلا ۔ تو پہلا جھونکا۔ پہلی بوچھار ۔ امریکن برف باری کی مرے استقبال کو تیار تھی ۔ مرے سامنے اس طرح برف نہیں پڑی تھی ۔۔ میں کچھ دیر کھڑا رہا۔ کہ

www.taemeernews.com

اس استقبال کا جواب میں بھی خوش آمدید سے دوں ـــ یہ استقبال بھی تھا اور الوداع بھی ـــ میں تین روز نیویارک میں رہا۔ پھر برف نہیں گری۔ برف نے سوچا۔ جانے والے سے محبت کیا۔ صاحب سلامت کافی ہے ـــ اور مجھے یہ شکایت کہ یہ جلوۂ گریزاں کیا؟ ذرا دو باتیں تو کرنی تھیں؟۔ ذرا نگاہیں تو ملانی تھیں؟ ـ یہ کیا کہ "جھونکا ہوا کا تھا ادھر آیا ادھر گیا"۔

اس آنے کو کیا کہئے اس جانے کو کیا کہئے

مگر میرے کہنے کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ بس وہی ایک جھونکا مرے اس سفر کی یادگار ملاقات تھی۔

ایک ہی بار ہوئیں وجہ گرفتاریٔ دل
التفات ان کی نگاہوں نے دوبارا نہ کیا

برف کے دانے سفید موتی کی طرح لیکن وزن میں سفید روئی کے گالے کی طرح اور زندگی حباب کی طرح۔ تھوڑی دیر تک ایسا لگا کہ سفید موتیوں کی عبا اوڑھ لی ہے۔ نیا تجربہ ہر شخص کے لئے جسم کا درجۂ حرارت تیز کر دینے والا ہوتا ہے، شاعر کا تو دل بھی تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے، اور نبض بھی تیز چلنے لگتی ہے۔ کانوں میں سُریلی آوازیں گونجنے لگتی ہیں اور دماغ میں شہنائیاں بجنے لگتی ہیں ـــ

برف فوراً ہی رک گئی۔ ہم لوگ نیویارک کے علاقہ "فلشنگ" میں آ گئے۔ یہ گویا اس شہر کا ہندستان ہے اس علاقے میں ایسے حصے ہیں جہاں پرانی دہلی کے محلّوں کی طرح فٹ پاتھ پر چارپائی بچھی رہتی ہے۔ حقہ چلتا رہتا ہے چلکیاں کڑاہی میں تلی جاتی ہیں۔ اور وہی بڑے کے ساتھ کھائی جاتی ہیں ـــــ

انگریز ہندستان آئے تو دن سات سمندر پار ہی چھوڑ کر آئے ـــ یہاں آ کر وہ

www.taemeernews.com

اردو پڑھنے لگے شاعری کرنے لگے۔ پلاؤ کھانے لگے اور حقہ پینے لگے۔ پٹنہ کے ایک چیف جسٹس سرکوٹنی ٹیلر۔ مجلسوں میں چست پاجامہ، انگرکھا پلے کی سفید ٹوپی اور سلیم شاہی جوتہ پہن کر جاتے تھے ـــــ دس سال پہلے مشرقی پاکستان کے شہر ڈھاکہ میں ڈیپارٹمنٹ آف اردو لندن یونیورسٹی کے انگریز پروفیسر مسٹر ڈیوڈ میتھیو سے ملاقات ہوئی، برابر شعری نشستوں میں ساتھ رہے۔ الائچی کے ساتھ پان بڑے شوق سے کھاتے تھے ـــ اور حقہ عادی حقہ نوش کی طرح پیتے تھے۔ فصیح اردو فراٹے سے بولتے تھے اور فارسی اردو کلاسکی اور جدید شعرا کا کلام اس تیور سے اور اس طرح جھوم کر پڑھتے تھے جیسے جگر مرادآبادی مستی میں اپنی غزل پڑھتے تھے ـــــ لندن سے پاکستان اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کی تکمیل کیلئے آئے ہوئے تھے۔

تو میرا مطلب کہنے کا یہ ہے کہ انگریز جہاں جاتے ہیں وہیں کے ہو رہتے ہیں۔ اُن کا مقولہ ہی ہے کہ "جب روم جاؤ تو ویسے ہی رہو جیسے رومن رہتے ہیں" ـــ لیکن ہم ہندستانی جہاں جاتے ہیں اس جگہ کو ہندستان ہی بنا لیتے ہیں ـــ ہمیں ڈھلنا نہیں آتا۔ ڈھالنا آتا ہے ـــــ فلشنگ کا علاقہ نیویارک میں ہندستانی چولا پہن رہا ہے ـــــ کیا بعید ہے کہ مستقبل قریب میں رومال منھ پر رہ کر جھک کر آداب بجالانے لگے۔

غضنفر امام کے حسین فلیٹ میں آئے تو وہ اور ان کی دُلہن شبانہ چشم براہ تھیں۔ اور پھر ہم ہندستان کے ماحول میں آگئے ـــ اُدھر بیٹھئے۔ اور یوں بیٹھئے ـــ اور یوں ناشتہ کیجئے۔ اور یوں چائے پیجئے اور یوں کھانا کھائیے اور یوں غسل کیجئے۔ اور یوں آرام کیجئے ـــــ ارے بابا سب کچھ یوں کیوں ـــ

www.taemeernews.com

مجھے پوہوا کیوں بنا لیتے ہو شاید لفظ "پوہوا" آپ کو اجنبی لگا ہو ــــ ہمارے بہار کے گھریلو زبان میں نوزائیدہ بچے کو پوہوا کہتے ہیں پتہ نہیں آپ لوگوں کو یاد ہے یا بھول گئے ــــ مختصر یہ کہ وہ جو ہاتھوں ہاتھ لینے کا محاورہ ہے۔ بچوں کو زمین پر رکھنے نہیں دیتے ۔ اس گود سے اس گود میں ۔ میں نے کہا بابا میں گودوں گود نہیں رہوں گا ــــ مجھے کبھی زمین پر بھی رہنے دو ــ بہرحال کچھ ان کی چلتی رہی کچھ میری چلتی رہی ۔ مگر مفاہمت نہیں ہو سکی ۔ ہم دونوں اس تاک میں رہے کہ کب دوسرے کو دبا دیں ــــ مثلاً یہ کہ ان کا اصرار کہ تم مسہری پر سوؤ ۔ میں نے کہا نہیں ۔ میں یہاں زمین پر سوؤں گا ــــ مسہری پر دو بالشت گہرے گدے پر سوتے سوتے مری کمر میں درد ہو گیا ہے ــــ عذر کر کے میں نے اپنی بات منوا تو لی ۔ مگر دیکھا تو منوانا اور نہ منوانا دونوں برابر ہو گیا ۔ یعنی گدے پر گدا رکھ کر زمین کو بھی مسہری کی اماں جان بنا دیا ۔ تب میں نے سمجھا کہ مشاعرہ میں تو چلے گی لیکن گھر میں شاعری کی تلوار نہیں چلے گی نہیں چلے گی ، جنتا راج میں سڑی گلی سرکار نہیں چلے گی نہیں چلے گی۔

نیویارک کا پروگرام اچانک بن گیا ۔ ایک ہفتہ قبل بات طے ہوئی اور میں نیویارک آ گیا ۔ دو راتیں یہاں ٹھہرنا تھا اور تیسری شام کو قاہرہ ہوتے ہوئے جدہ روانگی تھی ۔ دن میں تین بجے کے قریب میں نیویارک پہونچا اور معلوم ہوا کہ آج ہی مشاعرہ کا پروگرام بنا لیا گیا ہے ــــ وہاں ہال وغیرہ ملنا بہت محال ہے تا وقتیکہ ایک دو ماہ قبل سے ہی اس کی کوشش نہ ہو ــ دو چار روز میں بہت کوشش کرنے کے باوجود کوئی پبلک ہال نہ مل سکا تو لوگوں نے ایک سینما ہال ایک روز کے کرائے پر لے لیا ۔ انور حسین صاحب ، اور دوسرے

www.taemeernews.com

احباب بس دو تین گھنٹے ٹیلیفون پر بیٹھے بیٹھے احباب کو اطلاع دیتے رہے ـــ اور شام کو سات بجے ہم لوگ ہال میں پہونچے تو اہل محبت کی بھیڑ تھی نیویارک جیسے شہر میں اتنی عجلت کی اطلاع پر ڈھائی تین سو احباب کا جمع ہو جانا ایک کرشمہ ہی تھا ـــ گرچہ ایسا کرشمہ بھی کم ہی ہوتا ہے. مگر ہونے والی بات ہو جاتی ہے.

میں نے قبل کی سطروں میں کہا ہے کہ امریکہ میں زن زمین زر کا حاصل کر لینا ۔یا بدل لینا کوئی مسئلہ نہیں مکان خریدتے ہیں اور پھر بدلتے ہیں. نوکری حاصل کرتے ہیں اور پھر بدل لیتے ہیں ـــ ابھی ابھی برادرم افضل امام ٹورنٹو سے ہندستان آئے ۔ دو ماہ کی جگہ چار ماہ رہ گئے ـــ وعدہ اور رخصت سے زیادہ ٹھہر جانا خطرناک نتائج کا حامل ہوتا ہے. ہندستان سے واپس ٹورنٹو گئے تو چند روز بعد خط آیا کہ نوکری بھی گئی ۔ اور فلیٹ بھی گیا ـــ پھر چند روز بعد خط آیا کہ الحمدللہ ـــ اس سے اچھی نوکری آ گئی ۔اور اس سے اچھا فلیٹ مل گیا ـــ ہاں زن کے معاملہ میں تقریباً ہر ہندستانی پورا ہندستانی ہے ۔ ـــ گلے میں سنتِ پیغمبر ڈالتے ہیں تو مر کر ہی نکلتا ہے. مگر ہاں زن حاصل کرنے کی تقریب کبھی کبھی برپا ہو جاتی ہے ـــ کم از کم دو دوست اور عزیز سے تو ملاقات ہوئی، جنہوں نے عیسائی خاتون سے شادی کی اور وہ خاتون شادی کے بعد ہندستانی پاکستانی خاتون سے زیادہ پکی مسلمان بن گئی ـــ مشاعرہ میں جانے سے ایک گھنٹہ پہلے تک غضنفر امام کے یہاں دوستوں کی آمد کا تانتا رہا ـــ ان آنے والوں میں. ایک دوست ایسے بھی آئے جن سے غائبانہ تعارف بھی نہ تھا ـــ ہاں وہ مجھے جانتے تھے اور میں ان کے خاندان سے واقف تھا. سب لوگ انہیں ایفا بھائی کہتے ہیں. ایک بڑے فرم میں ملازم ہیں ـــ وہ تو

www.taemeernews.com

خیر آئے ان کی بیگم۔ سرخ سفید عیسائی نومسلم خاتون۔ ساری کا آنچل سر سے ہوتا ہوا گلے میں بندھا ہوا۔ پوری آستین کا شلوکہ۔ شال اوڑھے ہوئے آتے ہی ـــ " سلام علیکم کلیم بھائی۔ بڑا انتظار رہا " ۔

میں نے کہا اچھا؟ ـــ یہ تازہ بتازہ نئی بہن امریکہ کی خاک سے اٹھتے ہی بھائی کو پہچان گئی؟ ـــ اور پھر اس کے بعد تو ـــ ہر دمنٹ پر " کلیم بھائی ـــ سردی ہے آپ شال اوڑھ لیجئے ـــ اور کلیم بھائی لائیے آپ کو اوورکوٹ پہنادوں " ـــ اور ہم سب جب مشاعرہ ہال میں آئے ـــ تو میری ایڈی کانگ کی طرح یا پرائیوٹ سکریٹری کی طرح ہر وقت میرے ساتھ ساتھ ـــ " لائیے کلیم بھائی۔ اب اوورکوٹ اتار کر مجھے دیدیجئے ـــ میں ہاتھ پر رکھے رہوں گی ـــ اور آئیے کلیم بھائی آپ یہاں پر بیٹھئے۔ یہ کرسی آرام دہ ہے " ـــ میں نے کہا نیک بخت بہن یہ تین ماہ سے آپ کہاں تھیں بھائی کی خبر نہیں لی۔؟ ـــ بیرن بھیا کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ لے دے کر ایک بھانجی جو اسی طرح شال اوڑھاتی اور اوورکوٹ پہناتی رہتی تھی ـــ بھانجی کی جگہ لینے کو " بہین " بہت دیر پہ پہونچیں۔

مختصر یہ کہ برادرم ایفا کی دلہن ایک مثالی عیسائی نومسلم خاتون مجھے ملیں ـــ غائت محبت دار وفا پرست۔ سنجیدہ خدمت گذار اور صاحب کردار ـــ مشاعرہ ختم ہوا تو ـــ کلیم بھائی! ـــ ایک درخواست ہے ـــ ایک یادگار اپنی دیدیجئے " ـــ اور جب تک میں کچھ سمجھوں ـــ مری بغل میں کھڑی ہو گئی۔ اور برادرم ایفا نے کیمرہ نکال کر کھٹ سے کیا ـــ اور پھر کھٹ کھٹ کھٹ کئی پوز کی کئی تصویریں لے لیں مشاعرہ میں سب سے آگے میرے سامنے

www.taemeernews.com

یوں بیٹھی رہیں۔ جیسے پورے مشاعرہ میں سب سے زیادہ سخن شناس وہی ہیں۔ حالانکہ بے چاری ایک لفظ اردو نہیں سمجھتی تھی۔

مشاعرہ ہال میں جو عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات شروع ہوئی تو اعتبار نہیں آیا کہ میں امریکہ میں ہوں۔ جیسے پٹنہ ہی میں ہوں — علی اشرف مرحوم کی صاحبزادی — اور ان کے شوہر راشد کریم۔ اور ہارون رشید کی صاحبزادی — اور ان کے شوہر۔ اور منہاج کے لڑکے لڑکی اور بیوی۔ اور ماسٹر مظفر صاحب مرحوم کے صاحب زادے اور رضا کریم صاحب مرحوم کے صاحب زادے۔ اور کون کون کن کا نام لوں اور کن کا نہ لوں فہرست کیسے مرتب کروں — مشاعرہ سے پہلے بڑا مشاعرہ تو یہی ہوا۔ ایک ایک سے ملنا — بغل گیر ہونا۔ اور دوسرے ملنے اور بغلگیر ہونے کا منظر۔ مختصر یہ ہے کہ یہ مجمع محبت کے لین دین میں ایسا منہمک رہا کہ مشاعرہ اپنے وقت سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد بھی مشکل سے شروع ہوا۔ شاعرات اور شعرا بھی خاصی تعداد میں تشریف لے آئے۔ جو تقریباً سب کے سب پاکستانی تھے۔

میں نے امریکہ کے چند شہر دیکھے۔ سب سے پہلے ہرلین برگ پھر شکاگو پھر واشنگٹن۔ تب آخر میں نیویارک۔ درمیان میں ڈیٹرائٹ اور فلاڈلفیا وغیرہ — ہندستان والوں کو ان شہروں کی خصوصیتیں سمجھانا اور بتانا مشکل ہے۔ کلکتہ جو ہندستان کا سب سے بڑا شہر ہے اور آبادی کے لحاظ سے شاید دنیا کا سب سے بڑا شہر۔ وہاں زمین دوز ریل کا منصوبہ اب بن رہا ہے اور تجربے کے طور پر ایک مقام پر کئی برسوں سے کام ہو رہا ہے۔ اور امریکہ کے شہروں میں تین ریلیں برسوں سے چل رہی ہیں۔ زمین دوز بھی زمین کے

www.taemeernews.com

اوپر بھی اور سر کے اوپر بھی ــــ ویسے ہم نیویارک کو ہندستان کا کلکتہ کہہ سکتے ہیں۔ جہاں انسانیت اور حیوانیت کے تمام رنگارنگ جلوے ہیں ــــ جہاں سڑکوں پر کہیں کوڑے کرکٹ بھی ملیں گے اور کہیں آئینے کی طرح سڑکیں صاف اور شفاف بھی ہوں گی۔ گندگیاں بھی اور صفائی بھی ــــ جہاں شیطان بھی ہیں اور فرشتے بھی ــــ خوشبو بھی عفونت بھی مکانات کے نقشے بھی عموماً جدید کلکتہ کے ڈھنگ پر ہیں۔ لیکن شہر کا مرکزی حصہ آسمان بوس عمارتوں کے سبب دور سے دیوزادوں کی بستی معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح دہلی میں دسہرے کے موقع پر رام لیلا گراؤنڈ میں راون وغیرہ کے کاغذی بت دور سے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ نیویارک یا شکاگو کے ڈاؤن ٹاؤن اپنی سو منزلہ اسّی اور نوّے منزلہ عمارتوں کی وجہ کر دور سے صبح کے کہر میں ایسی معلوم ہوتے ہیں کہ دیوزادہ پردۂ قاف سے نکل کر دنیا پر حملہ کرنے کے لئے صف آرا ہیں ان عمارتوں میں وسعت ہے بلندی ہے۔ استحکام ہے دیرپائی ہے لیکن حسن نہیں کشش نہیں جاذبیت نہیں بلندیاں اتنی کہ بعض مکانات کی اوپر کی منزلیں دیکھنے کو سر اٹھاؤ تو ٹوپیاں سر سے گر جائیں۔ اور بعضوں کی اوپر کی منزلیں تو نظر ہی نہیں آتیں۔ بادل اور کہرے مستقل چھائے رہتے ہیں اور ان کی چوٹیوں پر دن رات مختلف نقش و نگار کی تیز روشنیاں ہر وقت رقص کرتی رہتی ہیں جنہیں دور سے دیکھا جا سکتا ہے قریب عمارت سے ان کو دیکھنا بھی مشکل ہے اور اندرونی وسعتوں کا یہ عالم ہے کہ بعض ہال ان میں ایسے ہیں جن میں ہزار ہزار کا مجمع بفراغت مل کر کرسیوں پر بیٹھ کر کانفرنسوں، جلسوں اور تقریبات کا لطف لے سکتا ہے۔ ان عمارتوں میں انجینیرنگ کا کمال ہے جدید ترین مشینی صناعی کا

www.taemeernews.com

مظاہرہ ہے لیکن آرٹ نہیں ہے، حسن کاری نہیں ہے۔ یا وہ آرٹ ہے جو دیکھنے والے کے دماغ کو متحیر کر سکتا ہے، مرعوب کر سکتا ہے، ذہن کو مغلوب کر سکتا ہے۔ دل کو متحرک نہیں کر سکتا، چونکا نہیں سکتا۔ پھڑکا نہیں سکتا، نگاہوں کو ٹھہرا نہیں سکتا — ان عمارتوں میں مصوری نہیں ہے، کاریگری نہیں ہے، دستکاری نہیں ہے، انگلیوں کی فسوں کاری نہیں ہے — ہاں مشینوں کی سحر کاری ہے کوہ کن کی کوہ کنی ہے، آہن گر کی آہن گری ہے۔ ان میں ایسے محراب نہیں ہیں جو خم ابرو کی یاد دلائیں ایسے ستون نہیں۔ جن پر سرو قامتی کی پرچھائیاں نظر آئیں، ایسی دیواریں نہیں جن سے موج دریا کا تصور ابھرے ایسے دروازے اور جھروکے نہیں جن پر دیدۂ بیدار اور چشم نیم باز کا دھوکا ہو۔ مختصر یہ ہے کہ ان عمارتوں میں داخل ہو کر نہ شیکسپیر یاد آتا ہے نہ میر و غالب یاد آتے ہیں، نہ ذہن پر کسی نظم کا خاکہ ابھر آتا ہے نہ کوئی غزل یاد آتی ہے۔ حقیقت حال یہ ہے۔ امریکہ جا کر انسان شاعری بھول جاتا ہے۔ ایسے ملک میں شاعر ہوئے، غزلیں پڑھی گئیں۔ واہ واہ اور سبحان اللہ ہوئی یہ ایک کرشمہ ہے کرامت ہے۔ انسانوں کی زندگیوں میں ایسی کرامتوں کا ظہور ہوا کرے گا ایسے کرشموں کی نمود ہوتی رہے گی۔

ہاں واشنگٹن ایسا شہر ہے۔ جہاں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اُس انسان کی دنیا میں ہے جو اس دنیا کو جنت بنانے کے لئے آیا ہے۔ جس کی جنت کا تعلق صرف پیٹ، پیٹھ اور ہاتھ پاؤں سے ہی نہیں ہے۔ بلکہ دل سے بھی ہے، نگاہوں سے بھی ہے کانوں سے بھی ہے۔ جو نور بھی چاہتا ہے، رنگ بھی چاہتا ہے نغمہ بھی چاہتا ہے — واشنگٹن پرانا شہر ہے۔ یہاں رنگ بھی نظر

www.taemeernews.com

آتا ہے، مصوری دستکاری قلمکاری اور صناعی بھی نظر آتی ہے ——
یہاں کی عمارتوں میں. فنِ عمارت سازی کا بھی مظاہرہ ہے، مصوری بھی ہے،
رنگ آرائی بھی ہے، نقش کاری بھی ہے. پیکر تراشی بھی ہے نزاکت مزاجی بھی
ہے اور سبک خیالی بھی ہے —— یہاں عمارتیں فلک بوس نہیں ہیں. دیو پیکر
نہیں ہیں —— ان کی دیواروں میں دروازوں میں، کھڑکیوں میں. گیلریوں
میں. زینوں میں. بانکپن بھی ہے سڈول پن بھی ہے —— رنگینی بھی ہے نزاکت
بھی ہے. یہاں ستون نظر آتے ہیں. ان میں نری مغربیت نہیں ہلکا پرتو
مشرقیت کا بھی نظر آتا ہے. عمارتیں مختلف رنگوں کی ہیں. سبز بھی، سرخ بھی،
زرد بھی نیلے. عموماً تین چار منزلیں ہیں —— سڑکوں پر چلیے تو احساس ہوتا
ہے کہ شیکسپیر یہاں ٹھہر سکتا ہے. میر و غالب بھی یہاں آسکتے ہیں. نظم یہاں
کہی جاسکتی ہے. غزل سنی جاسکتی ہے. مشاعرہ کیا جاسکتا ہے، واہ واہ ہوسکتی
ہے فضا میں، ماحول میں. طبیعتوں سے ہم آہنگی ہے. ربط ہے تعلق ہے ——
افسوس ہے کہ واشنگٹن میں بہت مختصر قیام رہا. اور وہ مختصر قیام بھی شہر دیکھنے
میں نہیں گذرا. بھائی طفیل صاحب گویا زبردستی گھنٹے دو گھنٹے مجھے کار پر
لئے پھرے —— واٹر گیٹ والی عمارت دکھائی، جہاں نکسن کے دورِ صدارت
میں وہ تاریخی سازش ہوئی تھی —— اور نو تعمیر کینیڈی ہال بھی دکھایا ——
جس میں قلعہ کا انداز بھی ہے محل سرا کا طرز بھی ہے. عجائب گھر کا پرتو بھی ہے
—— جو حسن کی آرام گاہ بھی بن سکتا ہے اور عشق کی آماج گاہ بھی —— حسینوں کی
سیر گاہ بھی اور عاشق مزاجوں کی قتل گاہ بھی پوری عمارت، سرخ قالینوں
اور سرخ پردوں سے آراستہ ہے. سرخی اور سفیدی کا بہترین امتزاج

www.taemeernews.com

اس عمارت میں نظر آتا ہے۔

شہر کے اور کچھ حصے بھی دیکھے ـــ پورے شہر میں سبزہ زار بھی ہیں اور چمن زار بھی۔ ندیاں بھی، جھیلیں بھی جھرنے بھی۔ اکثر سڑکیں جھیلوں کے اوپر سے گذرتی ہیں۔ سڑکوں کی صفائی، فراخی اور کشادگی بے نظیر ہے۔ یہاں گھوڑے بھی نظر آئے اور اسپ سوار بھی۔ نفیس پالکی گاڑی اور فٹن بھی ـــ سڑکوں پر ٹریفک بھی ایسی گھمسان نظر نہیں آئی ـــ متانت اور ٹھہراؤ ہر جگہ نمایاں ـــ جارج واشنگٹن کے دور کا ذوق اور ذائقہ قائم ہے اور اس روایت کو باقی رکھنے قائم رکھنے اور نمایاں رکھنے کی کوشش بھی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ہم مشرقیوں کے لئے شمالی امریکہ میں واشنگٹن ہی وہ شہر ہے جہاں یہ شعر یاد آسکتا ہے۔ لیکن کوئی ضروری نہیں کہ یاد آہی جائے۔ کہ

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

میں نیویارک سیر کے لئے نہیں گیا ـــ ہاں ویزا حاصل کرنے کو پاکستانی سفارت خانے میں جاتے ہوئے شہر کی ہلکی جھلک جلوہ گریزاں کی طرح دیکھی ـــ مجھے یہ شہر کچھ صنعتی شہر ایسا نظر آیا۔ جہاں فضا میں ماحول میں، عمارتوں میں سیاہیاں یا سیاہیوں سے ملتے جلتے رنگ زیادہ ہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ نیویارک ہندستان کا کلکتہ ہے۔ وہی تیزی وہی تندی وہی بے رنگی وہی بے قرینگی وہی بیڈھنگا پن۔ جو عموماً خالص تجارتی شہروں کی زندگی اور زندگی کے عمومی ماحول میں ایک نازک اور لطیف طبیعت کو نظر آتا ہے۔ مجھے نظر آیا ـــ اس میں شک نہیں کہ اس میں قصور زیادہ میری طبیعت

www.taemeernews.com

کا ہے اور شہر کا کم — ہم تو صبح بنارس اور شام اودھ اور فضائے کشمیر۔ اور پھولوں والوں کی سیر اور قیصر باغ۔ اور وادی گنگ وجمن کی روایتوں کے پروردہ ہیں۔ جن روایتوں کا تعلق اوراق کی تاریخ سے نہیں بلکہ دلوں کی گہرائی اور ذہنوں کی تہوں سے ہے اس لئے ملے یا نہ ملے تلاش انہیں کی رہتی ہے اور اپنے لئے نہ سہی دوسروں کے لئے انہیں روایتوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی فکر تمنا اور کوشش رہتی ہے اور دعا رہتی ہے کہ

نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہیں
اس دمِ نیم سوز کو طائرِ کک بہار کر

بہرحال یہ چند سطریں تو اس لئے لکھی گئیں کہ کچھ پڑھنے والے امریکہ کی اس خارجی تصویر یا تصویروں کے متلاشی بھی ہوں گے ورنہ مجھے تو امریکہ کیا کسی ملک کسی شہر کسی سرزمین کسی دارالسلطنت کے در و دیوار، سڑک اور شاہراہ محل اور شہر پناہ، مکانات اور گذرگاہ سے بہت کم تعلق رہتا ہے، میں تو در و دیوار کے سایوں میں رہنے والوں اور سڑک اور شاہراہوں سے گذرنے والے انسانوں سے قریب رہنا چاہتا ہوں اور رہتا ہوں، دیکھنا چاہتا ہوں اور دیکھتا ہوں چنانچہ امریکہ میں بھی میری دلچسپی انسانوں سے رہی، مکانوں سے نہیں رہی — مکان موسم کے اثرات سے بچنے اور چند گھنٹے آرام سے گذار دینے کا ذریعہ میں پہلے بھی سمجھتا تھا اب بھی سمجھتا ہوں۔ چاہے وہ چند گھنٹے محل میں گذریں یا جھونپڑے میں۔ برقی قمقموں کی تیز روشنی میں گذریں یا ٹمٹماتے دیئے کی مدھم اجالے میں۔

نیویارک کا قیام بہت مختصر رہا۔ شاید ڈھائی دن اور دو راتیں۔

www.taemeernews.com

دوپہر کو پہونچا اور تیسرے دن شام کو روانہ ہوگیا ـــ مگر یہ مختصر وقت بھی نیویارک کے چند احباب، عزیز اور دوستوں کی صحبتوں اور ملاقاتوں کو یادگار بنا گیا۔ نیویارک نے ہلکی برف باری سے استقبال کیا۔ سفید برف کے ننھے ننھے موتی نچھاور کئے اور نیویارک والوں نے محبت سے پیشوائی کی، محبت سے رکھا اور محبت سے رخصت کیا ـــ جس طرح رنگ اور خوشبو کیلئے وزن اور مقدار ضروری نہیں ۔ بہت سا رنگ ہو اور بہت سی خوشبو ہو اس کی حاجت نہیں ـــ ہلکا سا رنگ بھی دیوانہ بنا دیتا ہے اور ذرا سی خوشبو بھی مست کر دیتی ہے ـــ اسی طرح محبت بھی وزن اور مقدار کی محتاج نہیں ایک نگاہ غلط انداز بھی بہت ہے اور ایک تبسم گریزاں بیہوش کر دینے کو کافی ہے ـــ بلکہ اکثر یہی زندگی کا سرمایہ بن جاتی ہیں۔ اور انہیں کی لذت میں کتنی زندگیاں گذر جاتی ہیں۔ انگریزی کا مشہور کلاسکی شاعر بن جونسن کہتا ہے

In small propotion we just beauty see

In short measure life may perfect be

میرے اصلی میزبان تو برادرم غضنفر امام اور ان کی دلہن تھیں ـــ سو غضنفر امام بھی کیا؟ ـــ ان کی توند نکل رہی ہے اور میں نے انہیں خطرے سے آگاہ کیا کہ امریکن تحفہ آپ قبول کر رہے ہیں ـــ وہ ہنستے ہیں اور بس ہنستے ہیں ـــ ان کی دلہن ان کا فرض بھی ادا کرتی رہیں اور اپنا بھی ـــ وہ تو بس بجلی ہیں ـــ ابھی باورچی خانے میں ہیں۔ ابھی ڈرائنگ روم میں۔ ابھی گھر میں ہیں۔ ابھی امریکن برقعہ ـ سر پر کسا ہوا اور جسم پر لمبا

www.taemeernews.com

گاؤن پہن کر بازار ـــ ابھی ناشتہ کھلا رہی ہیں اور ابھی میرے کپڑوں پر استری ـــ ابھی کھانا سجا رہی ہیں اور ابھی بستر درست کر رہی ہیں۔ اور بات بات پر ـ کیا کہیں کلیم بھائی ـــ آپ تو کچھ کھاتے ہی نہیں ـــ ہم تو کچھ خاطر ہی نہیں کر پا رہے ہیں ـ آپ تو بس ابھی آئے ـــ اور ابھی جا رہے ہیں۔

اور برادرم آلیفا کی امریکن دلہن کا تو حال مختصر بیان ہی کیا ـــ وہ بے چاری ابھی تو سو فیصد امریکن ہی ہے۔ لیکن سو فیصد ہندستانی بننے کی کوشش ہے۔ اور اسی وقت پچاس فیصد کا فرق ہو چکا تھا اگر زبان کا فرق نکل جائے ـــ اور اردو بولنا آجائے تو ـــ شاید کوئی یہ بھی یقین نہ کرے کہ سو پشت پہلے بھی اس کے خاندان میں کوئی امریکن رہا ہے ـــ اور میاں آلیفا اس نئی امریکن بیوی سے کچھ اسی قسم کا برتاؤ کرتے ہیں جیسے شادی کو شاید ایک آدھ صدی گذر چکی ـ یہ پورے سوٹ میں بھی پکے مسلمان اور بیوی تو خیر گون اتار کر ساڑی پہن ہی چکی ہے اگر چپ چاپ بٹھا دیا جائے تو لوگ یہی سمجھیں کہ بیچاری ابھی ابھی پٹنہ سے آکر نیویارک میں پھنسی ہے۔

نیویارک ایرپورٹ پر برادرم انور حسین لینے کو آئے تو چہرہ دیکھکر پہلے شبہ ہوا کہ کوئی سُست قسم کا بہاری رئیس کا لڑکا امریکہ میں پڑھنے آیا ہے۔ گرچہ ہرسن برگ سے چند بار ٹیلیفون پر ان کی باتوں سے اور لہجے سے اندازہ ہوا کہ مشاق قسم کا انسان ہے ـــ مگر چند ہی منٹ یا تھوڑے ہی دیر بعد یہ احساس ہوا کہ یہ سست قسم کا طالب العلم نما انسان سارے امریکہ کو چلا سکتا ہے ـــ اور کم از کم چند منٹ میں امریکہ کے دو تین صد ہندستانیوں اور

www.taemeernews.com

پاکستانیوں کو تو اس شخص نے چڑا دیا ۔ اور نیویارک جیسے تجارتی شہر میں تھوڑی دیر ٹیلیفون پر بیٹھکر وہ کر دیا جو ہمارے ملک اور صوبہ جیسے مقام پر لوگ ہفتوں میں نہیں کر سکتے ۔ چہرہ جذبات سے خالی مگر جذبات سے بھرا ہوا دل جسم پتلا دبلا ۔ مگر پتلے دبلے جسم میں وہی پھرتی اور مستعدی جو کئی جسموں کی مجموعی استعداد سے بھی بہت زیادہ ہو۔

اور پھر ہمارے استاد ماسٹر مظفر صاحب کے لڑکے اور ان کے چھوٹے بھائی اور ہم شاعروں کے پیر مغاں رضا کریم صاحب رضا کے لڑکے کوئی حامد کہلاتے ہیں کوئی ظفر کہلاتے ہیں ۔ امریکہ جا کر نہیں یہیں پٹنہ سے ہی اپنے والد بزرگوار کی بات چیت کا لہجہ بھول گئے ہیں ـــــ ماسٹر مظفر صاحب تو وہی زبان بولتے تھے جو میر صاحب بولا کرتے ہوں گے یا جو میں آج تک بولتا ہوں۔ اور انشا اللہ جب تک زندہ رہوں گا بولتا رہوں گا تا آنکہ یہ لہجہ اور زبان عام ہو جائے ـــــ ماسٹر مظفر صاحب بے تکان انگریزی بولتے ۔ اور انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی میں برجستہ اور فی البدیہہ فصیح ترجمہ کرتے ـــــ لیکن جب ہم سے یا دوسروں سے بات چیت کرتے تو ـــــ "کا کرد ہو کلیم ؟ ـــــ گھر نا جیہو ؟ ـــــ اچھا ہو کل ذرا سویرے ایہو ـــــ اور دیکھو کتبوا سب لیتے ایہو" ـــــ جس طرح جگر خون ہوتا ہے تو چشم دل میں نظر پیدا ہوتی ہے ۔ اسی طرح زبان شخصیت کی بھٹی میں برسوں پگھلتی ہے تو یہ لہجہ پیدا ہوتا ہے ـــ زبان میں رس اور گھلاوٹ اور شیرینی اور سادگی الفاظ کا خزانہ فراہم کر لینے سے نہیں ہوتی ـــــ یہ الفاظ کے خزانوں کو برسوں چھاننے پھٹکنے ـ اور چھانتے پھٹکتے رہنے ، بھگوتے نچوڑتے سکھاتے رہنے

www.taemeernews.com

سے پیدا ہوتی ہے تب یہ شخصیت کا جزو بن جاتے ہیں۔ اور ان کی حیثیت شخصیت کے ساتھ وہ ہو جاتی ہے جو پھول میں خوشبو کی ہوتی ہے۔ یہ بے ساختہ نکلے گی۔ بے ارادہ نکلے گی ـــــ ماسٹر مظفر صاحب برسہا برس پڑھاتے رہے ایک عمر گذاری اس ریاض میں تب جا کر ان کی سیدھی سادی گفتگو اور بول چال میں یہ رس پیدا ہوا ـــــ

ہاں تو یہ بات خواہ مخواہ زبان کی نوک سے ٹپک پڑی۔ تو کہنا یہ ہے کہ ماسٹر مظفر صاحب کے لڑکے رضا کریم صاحب کے لڑکے۔ غضنفر امام کی بہن۔ علی اشرف مرحوم کی صاحب زادی۔ پروفیسر کریم الدین صاحب کے لڑکے راشد کریم ..... اور بہت سے سب ایک جگہ جمع ہو گئے تو جنگل میں منگل ہو گیا۔ امریکہ میں عظیم آباد بیدار ہو گیا۔ کتنی سوئی ہوئی تمنائیں انگڑائیاں لیکر اٹھ بیٹھیں اور تھوڑی دیر کے لئے۔ امریکہ اور امریکہ کی کمائی امریکہ کی دولت امریکہ کی زندگی اس کی برق رفتاری بہت پس پشت چلی گئی۔

دوسرے روز ایک اور نشست ہوئی پڑھنے والے پڑھنے والیاں تو کل ہی والی تھیں مگر سننے والوں کا مجمع کل سے کم تھا یہ نشست بھی تھی ـــــ تقریب ملاقات بھی تھی ـــــ محبت اور ملامت، شکوہ اور شکایت وعدہ و پیمان کی مجلس بھی تھی۔ شاعری بھی ہوئی۔ قصہ کہانی بھی ہوئی۔ معافی اور تلافی بھی ہوئی ـــــ نئی زندگی کے خواب بھی دیکھے گئے نئی منزلیں اور نئے راستے بھی نکالے گئے۔ اور سفر کے نئے حوصلے بھی اختیار کیے گئے اور جب لوگ اٹھے تو اس سے بہت بدلے ہوئے تھے جیسے آکر بیٹھے تھے۔ بوڑھے جوان بن کر اٹھے تھے مگر وہاں کوئی بوڑھا تھا ہی نہیں۔ جوان نوجوان اور نوجوان

www.taemeernews.com

کمسن بن کر اٹھے ـــــ اور مجھے بھی ایسا لگا کہ کچھ بات کہنے کی اور پیدا ہو گئی۔ اور اُسی کا ثبوت یہ چند اوراق سفرنامے کے ہیں۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ ضابطے کا کام ـــــ اور ترتیب کا کام ـــــ یہاں تو۔ "دل دکھا تو لب پہ حرفِ ناگوار آ ہی گیا" برسوں سے یہی شعار تھا۔ دل دکھنے کا سلسلہ تھا۔ جو کہیں تھمنے اور ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا تھا،

دل ٹوٹنے کا سلسلہ دن رات ہے میاں
اِس دور میں یہ کون نئی بات ہے میاں

امریکہ کا ڈھائی ماہ کا قیام۔ حجاز پاک کا ڈیڑھ ماہ کا قیام۔ پاکستان کا دو ماہ کا قیام۔ اس سلسلۂ زخم کاری کو تھوڑے دنوں کے لئے روک گیا تو سفرنامۂ حجاز اور سفرنامۂ امریکہ قلم سے ٹپک پڑا۔ اور ۷۸ء اور ۷۹ء کے دو سال میں پاکستان کے کئی سفر اور حجاز پاک کے دو سفر اور امریکہ اور کناڈا کے سفر ہوئے تو شاعری اور غزل نگاری رک گئی۔ یا بہت کم ہو گئی۔ ملا جلا کر آٹھ دس ماہ تو غزل نگاری کے اعتبار سے کورے ہی گذرے ورنہ ہر ماہ۔ دو ایک غزل تو ہو ہی جاتی تھی۔ لوگ کہتے ہیں غزل کہنا آسان ہے میاں۔ باتیں بنانا بالکل آسان ہے غزل کہنا بہت مشکل ہے۔ میں نے جب چاہا کہ غزل کہوں غزل کبھی نہیں ہوئی اور بغیر چاہے ہو گئی ـــــ جب تک دل میں کوئی آگ نہیں لگی۔ جب تک دل کو کوئی ٹھیس نہیں لگی ـــــ کوئی آواز نہیں نکلی اور آواز دل سے نہیں نکلی تو غزل نہیں ہوئی۔

تیسرے روز دن کو فلشنگ کی مسجد کا پروگرام تھا۔ اور شام کو راشد کریم بھائی کے یہاں کھانا تھا۔ دن کا کھانا برادرم ظفر صاحب کے یہاں تھا۔

www.taemeernews.com

جہاں کھانا ہوا یا جہاں جانا ہوا یا دوں کے زندہ ہونے کا بہانہ ہوا ـــــ
ہر جگہ لوگ جمع ہو گئے

بڑے خلوص سے محفل میں جام آیا ہے
کہ آج دور سے اک تشنہ کام آیا ہے

مرد جمع ہو گئے، عورتیں جمع ہو گئیں۔ لڑکے لڑکیاں جمع ہو گئیں ـــ عید جیسی ہو گئی ـــ کون ایسا تھا جس کے دل میں کوئی بات نہ تھی۔ کہنے کی ہو یا سننے کی ہو یا پوچھنے کی ہو۔ اور سب کے دل میں جتنی باتیں تھیں مجموعی طور پر ان سب سے زیادہ میرے دل میں باتیں تھیں ـــ لیکن دل میں بہت زیادہ باتوں کا پیدا ہو جانا انسان کو گونگا بنا دیتا ہے ـــ پورے سفر میں میرا یہی حال ہو جاتا تھا۔ دل میں اتنی باتیں اوپر تلے ہو جاتیں کہ دل کا منھ بند ہو جاتا ـــ دل ہی کا منھ بند ہو جائے تو زبان کیسے کھلے ـــ انسان عجیب چیز ہے۔ ساخت کے اعتبار سے تو بالکل مشین ہی ہے۔ لیکن وہ مشین نہیں کہ بٹن دباؤ تو چلتی رہے۔ یہ مشین خود کار ہے۔ اپنی مرضی سے چلتی ہے ـــ مشینوں کو خشک رکھو تو نہیں چلتی یا بہت سست چلتی ہیں ـــ اور خوب تیل ڈال دو تو تیزی سے چلنے لگتی ہیں ـــ لیکن انسانوں والی مشین عجیب ہے ـــ یہ تیل ڈالنے سے بھی کبھی رک جاتی ہے ـــ انسانوں کو بہت خوشیاں دے دو تب بھی انسان رک جاتا ہے ـــ اسے خشک رکھو تب بھی خوب چلتا ہے۔ اور زیادہ تو یوں ہوتا ہے کہ توڑ ڈالو تب زیادہ تیز چلنے لگتا ہے ـــ لیکن عموماً یوں ہوتا ہے کہ بہت خوشیاں دے دو تب بھی رک جائے گا، خاموش ہو جائے گا ـــ اور بہت غم دیدو تب بھی گونگا ہو جائے گا ـــ امریکہ میں بھی یہی تجربہ اکثر ہوا۔

www.taemeernews.com

لوگ زیادہ اکٹھے ہوگئے۔ محبت کرنے والے زیادہ گھر کر بیٹھ گئے تو چہکنے کی بجائے زبان میں تالے پڑ گئے۔

عصر میں ایک مسجد میں احباب لے گئے ـــ جو مکان کو ردوبدل کر کے مسجد کی شکل دی گئی ہے اور ابھی مکمل ہو ہی رہی تھی ـــ اور احباب مسجد کی تعمیر میں اور تشکیل جدید میں اسی طرح خوش تھے مسرور تھے، سرشار تھے جیسی خوشی کسی کو اپنا مکان بنا کر یا بنا تے ہوئے ہوتی ہے ـــ اور روزانہ دل اور راتیں یوں گذر رہی تھیں۔ جیسے شادیات یا تقریبات میں گذرتی ہیں. کھانے ہیں۔ ضیافتیں ہیں مشورے ہیں، محفلیں ہیں، مشقتیں ہیں. ڈیوٹی سے آئے اور سیدھے مسجد۔ اللہ نے مسلمانوں کو کسی خاص مٹی سے بنایا ہے ـــ یہ دین سے بے پروا رہتا ہے. لیکن دین والے سے بے پروا نہیں رہتا۔ نماز سے بے نیاز رہتا ہے. لیکن مسجد سے بے نیاز نہیں رہتا۔ مسجد کو چوٹ لگتی ہے تو اس کے دل کو چوٹ لگتی ہے ـــ اور مسجد سجتی ہے تو اس کا دل سجتا ہے اور اس کا چہرہ نکھرتا ہے ـــ کوئی مسجد توڑے تو یہ اپنی زندگی توڑ دیتا ہے. مسجد میں خود نہیں جائے گا لیکن کوئی دشمنی کے ارادے سے جانا چاہے گا تو یہ پتھر بن کر دروازے پر ٹوٹ جائے گا۔ عبدالرشید نمازی نہیں تھا. لیکن نماز لانے والے کی شان میں ذرا سی گستاخی پر بگڑ گیا۔ اور گستاخی کرنے والے کو گولی مار کر خود پھانسی پر چڑھ گیا۔

فلشنگ کی مسجد چھوٹی سی ہے لیکن مکمل ہے ـــ باہر سے دیکھو تو انگریزی قاعدے کا مکان ہے اندر دیکھو تو صاف ستھری محراب دار، ممبر اور مصلی سے سجی ہوئی مسجد ہے۔ ٹھیک جس طرح اس مسجد کے لوگ۔ کہ دور سے دیکھو تو

www.taemeernews.com

کرسٹان ۔ نزدیک سے مشاہدہ کرو تو پکے مسلمان ـــــ میں کھانا دعوت میں کھا چکا تھا مگر زور زبردستی سے وہاں بھی کچھ ٹوسٹ کچھ پلاؤ کچھ فرینی کچھ کسٹرڈ کھانی پڑی ۔ پھر نماز ہوئی ۔ باتیں ہوئیں نئے آنے والوں سے ملاقاتیں ہوئیں ـــــ تعمیری مسائل پر گفتگو ہوئی ۔ نقشے دیکھے، منصوبے دیکھے عزم اور حوصلے دیکھے ۔

شام کو بھائی راشد کریم کے یہاں کھانا تھا ـــــ بے تکلف ۔ بے اہتمام، سادگی ۔ اور کوئی مہمان نہیں تھا بس وہ ان کی بیگم جو میرے بزرگ علی اشرف مرحوم کی صاحب زادی ہیں ۔ پہلی ملاقات دو سال پہلے کراچی میں ہوئی تھی جب وہ امریکہ سے اپنے بھائی کی ملاقات کو آئی تھیں ۔ ایک دعوت میں چند لمحوں کی ملاقات تھی ۔ بڑے شوق سے میری کتاب " وہ جو شاعری کا سبب ہوا " کراچی میں ایک صاحب کے ذریعہ منگوا کر تحفہ لے گئیں ـــــ نیویارک کے مشاعرہ ہال میں سب سے آگے قطار میں بیٹھی تھیں ـــــ میں بھولکڑ آدمی ـــــ بار بار چہرہ دیکھ رہا ہوں ـــــ کہاں دیکھا ہے ؟ ـــــ کہاں ملاقات ہوئی ہے ؟ ـــــ سوچ رہا تھا ۔ حافظہ تعاون نہیں کرتا ـــــ یادسانتھ نہیں دیتی ـــــ وقفہ ہوا ـــــ تو قریب آکر بولیں ـــــ پہچان نہیں رہے ہو؟ ـــــ بس ذہن سے پردہ اٹھ گیا ـــــ جی ہاں ۔ آنکھیں دھوکا دے رہی تھیں ـــــ کان نے دھوکا نہیں دیا ـــــ چہرہ پہچاننے میں دیر ہوئی ـــــ آواز فوراً پہچان میں آگئی ـــــ جی ہاں تو گھر میں ـــــ بڑی سادگی سے سجے ہوئے چھوٹے سے گھر میں ـــــ بڑی سادگی کے ساتھ خالص مشرقی کھانوں سے سجے ہوئے ٹیبل پر ۔ بالکل مشرقی انداز میں انگلیوں سے پلاؤ اور مرغ اور کباب ـــــ تھوڑا کھاتے ہوئے ـــــ اور سب کو کھاتے ہوئے دیکھ کر

www.taemeernews.com

—— میں یہ سوچ رہا تھا کہ —— بلاؤ کے دیس سے چودہ ہزار میل دور بلاؤ کو سفر کرتے کوئی تکلیف نہیں ہوئی —— تکان نہیں ہوئی۔ ضعف نہیں آیا۔ رنگ نہیں بدلا —— وہی دم خم وہی آن بان —— وہی رنگ و بو —— اور کباب کی وہی تیز سوندھی خوشبو —— وہی کرکری نرمی —— وہی آنچ پر تپتے ہوئے چہرے کی طرح تانبے والی سرخی —— اور وہی روٹیں روٹیں میں آناً فاناً پھیل جانے والی گرم لذت —— اس کے بعد پڈنگ جس کی بابت میں ذرا بے تکلف ہو جاتا ہوں اور وہاں بھی ہوتا رہا میں دسترخوان پر اور چیزیں دوسروں کے اصرار پر بھی بہت کم کھاتا ہوں لیکن پڈنگ خود اصرار کر کے لیتا ہوں اور بار بار لیتا ہوں۔ چونکہ پڈنگ میٹھا ہوتا ہے۔ اور میٹھے نے پنجے جھاڑ کر میرا پیچھا کیا ہے۔ اور میری زندگی کی دیوار وقت سے پہلے ٹیڑھی میڑھی کر رہا ہے —— کھانے کے بعد کچھ دیر تک باتیں۔ وطن کی۔ وطن کے لوگوں کی۔ عزیزوں کی۔ ان کے نام سلام اور کلام۔ خطوط تحفے اور پیام کی بھری ہوئی جھولی لے کر برادرم غضنفر امام کے ساتھ ان کے گھر واپسی ہوئی۔

امریکہ کی سرزمین پر میرے اس سفر کا یہ آخری دن تھا۔ جس دن میں نیویارک پہونچا۔ ہلکی برف کے سفید ننھے موتیوں سے ایرپورٹ کے باہر مرا استقبال ہوا۔ اور میں سفید موتیوں کی عبا پہنے ہوئے ایرپورٹ کی عمارت سے برادرم انور حسین کی موٹر تک آیا لیکن رخصت کے وقت امریکہ سوگوار تھا —— روٹھا ہوا تھا —— خاموش تھا —— منہ پھیرے ہوا تھا —— ہوا خاموش تھی، دھوپ خاموش تھی فضا خاموش تھی۔ خلاف معمول کچھ سناٹا سا لگ رہا تھا —— ممکن ہے یہ میرے دل کا سناٹا ہو —— میں کہیں بھی جاؤں۔ کہیں بھی دو چار اپنے مل گئے ——

www.taemeernews.com

بھولے بھٹکے احباب مل گئے۔ چھوٹے چھٹائے آش[illegible] ــــ پھر ایسا لگا کہ۔ بھولے بھٹکے نہیں تھے۔ چھوٹے چھٹائے نہیں تھے۔ دور نہیں تھے ــ پاس ہی تو تھے۔ قریب ہی تو رہ رہے تھے۔ دو چار روز میں بھی یہ قربت، یہ اپنائیت اتنی بڑھ گئی کہ اب جو ایک لا معلوم مدت کے لئے ـــــ دور دراز کے لئے جدا ہو رہے ہیں تو ایسا لگا کہ زندگی میں پہلی بار جدا ہو رہے ہیں۔ برسہا برس کا رہن سہن۔ یکجائی آج ہی ختم ہو رہی ہے۔ جیسے آج ایک عمر گذار کر، ایک زندگی گذار کر۔ ایک مدت ساتھ رہکر جدا ہو رہے ہیں ـــــ اور دل سناٹا ہو جاتا ہے۔ قویٰ سُست ہو جاتے ہیں طبیعت بھاری ہو جاتی ہے۔ پاؤں وزنی ہو جاتے ہیں ــ قوت سلب ہو جاتی ہے۔ شاید اپنی ہی داخلی کیفیت کا عکس فضا میں نظر آ رہا ہو ـــــ بہرحال امریکہ کی فضا وہ نہیں تھی. نیویارک وہ نہیں تھا۔ جو چار دن پہلے آنے کے وقت تھا۔ تمام احباب سے رخصتی ملاقات ہو چکی تھی۔ لوگ بغلگیر ہو ہو کر، اور پھر آنے کا تقاضہ رکھ رکھ کر رخصت ہو چکے تھے ـــــ منہ بولی بہنیں۔ اور بھاوجین یا بہوئیں جھک کر سلام کر کے ــ پھر آئیے گا۔ بھولئے گا مت۔ خالص بہاری انداز میں کہتی ہوئی جا چکی تھیں۔ اب ہم سب کا مصافحہ سب کا معانقہ۔ سب کے سلام کی یادیں دل میں لئے ہوئے۔ نیویارک ایرپورٹ کی طرف جا رہے تھے ـــــ برادرم راشد کریم اور غضنفر امام ساتھ تھے۔

ایرپورٹ آئے۔ عشاء کا وقت ہو رہا تھا۔ ہوائی جہاز پر وقت ہو گیا ــ سامان دیکھا تو مصلیٰ شاید بیگ میں بند ہو کر ہوائی جہاز کے سامان

www.taemeernews.com

خانے میں جا چکا تھا ۔ ایک ستون کی آڑ میں اپنا گرم اوور کوٹ بچھایا اور اللہ اکبر کہہ کر نماز عشا کی نیت باندھ لی ۔۔۔ گھر سے زیادہ سکون پردیس میں تنہائی میں نماز پڑھنے میں ہوتا ہے ۔ گرچہ ہوائی جہاز کے مسافر تیزی سے آرہے تھے جارہے تھے ۔ لیکن مجھے سکون ملا ۔ اور نماز میں تاخیر ہوگئی ۔ سلام پھیرا تو دیکھا کہ راشد کریم بھائی بغل میں تشویش سے کھڑے ہیں ۔

" چلیئے ۔ ہوائی جہاز پرواز کرنے والا ہے ۔ دیر ہو رہی ہے "

لپکتے ہوئے جانچ پڑتال والے کاؤنٹر پر آئے ۔ اپنا ہینڈ بیگ ۔ ناشتہ کا بیگ ۔ اور کاندھے سے حائل شریف کا چھوٹا بیگ جس میں پاسپورٹ، ویزا ۔ ٹکٹ اور روپے تھے سب اس مشین پر رکھا جو جانچ کرتی ہوئی ۔ سامان کاؤنٹر کے اندر کی طرف پہونچا دیتی ہے ۔ اور میں خود جلدی جلدی برادرم غضنفر امام اور راشد کریم صاحب سے بغلگیر ہونے لگا ۔ وہ بولے جلدی کیجئے ۔ جلدی کیجئے میں تیزی سے خود بھی مشین والے دروازے سے گذرتا ہوا کاونٹر کی دوسری طرف پہونچکر اپنا سامان ہینڈ بیگ اور ناشتے کا بیگ دونوں ہاتھ میں اٹھا کر ۔ غضنفر امام اور راشد کریم کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتا ہوا اشاروں سے آخری سلام کرتا ہوا اس بس کی طرف دوڑا جو ہمیں ہوائی جہاز تک پہونچاتی ہے ۔ بس بھری ہوئی تھی اور بھر رہی تھی ۔ میں ایک سیٹ پر دونوں ہاتھوں کے سامانوں کو رکھ کر خود بھی بیٹھ گیا ۔۔۔ ڈرائیور بھی ۔ اپنی سیٹ پر آگیا ۔ اور بس اسٹارٹ ہونے والی ہے کہ میری نظر اپنے کندھے کی طرف گئی جس پر تسمے سے حائل شریف والا بیگ لٹکا رہتا ہے ۔ دیکھا تو کندھا تسمے سے خالی تھا ۔ بیگ ندارد ۔ جی سن سے

www.taemeernews.com

ہوگیا ۔ پاسپورٹ ویزا، ٹکٹ اور ساری رقم اسی میں تھی ۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا ۔ کہ میں کہاں ہوں ۔ میں بجلی کی طرح اٹھا ۔ اور دروازہ بند کرتے ہوئے انگریز کنڈکٹر کو دھکا دیتا ہوا دروازہ کھول کر ایرپورٹ کی عمارت کی طرف دوڑا ۔ وہ چیختا رہا اور کچھ دور مری طرف لپکا مگر میں یک سو ہو کر عالم وحشت میں دوڑتا ہی رہا ۔ ہوائی جہاز چھوٹے تو چھوٹے ۔ اور سامان جائے تو جائے ۔ اب خدا جانے کیا ہوگا؟ ۔ بیگ کہاں گرا؟ ۔ میں کہاں جاؤں ۔ پتہ ڈائری سب اسی میں ۔ بس میں دوڑتا رہا ادھر اُدھر دیکھتا بھی رہا ۔ ۔ آخر اس مشین کے کاؤنٹر پر آیا ۔ تمام تقریباً سناٹا تھا ۔ کاؤنٹر بند ہو چکا تھا مگر مشین کے نیچے میرا چھوٹا بیگ ۔ تنہا ۔ لاوارث ۔ بے دست و پا فرش پر پڑا ہوا تھا ۔ میں نے یوں اسے اٹھا لیا جیسے کوئی اپنے چھوٹے بچے کو اٹھاتا ہے ۔ اور اب اطمینان سے بس کی طرف چلا کہ ۔ بس جا ہی چکی ہوگی ہوائی جہاز کا دروازہ بند ہو ہی چکا ہوگا ۔ اور وہ پرواز کیلئے رخ موڑ ہی چکا ہوگا ۔ مگر باہر آکر دیکھا کہ بس ویسی ہی کھڑی ہے ۔ مسافر حیرت اور پریشان سے کھڑے ہیں ۔ ڈرائیور اور کنڈکٹر ۔ کچھ ناگواری ۔ کچھ خبطگی کے عالم میں اپنی طرف چلے آرہے ہیں ۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ امریکہ کی شرارت ہے ۔ یا امریکہ کا غیبی نظام جس فرشتے کے اختیار میں ہے اس کا مذاق ہے ۔ ہوائی جہاز والے بھی حیران ہوں گے کہ یہ کیا تماشہ ہے ۔ مگر میں اب مطمئن تھا ۔ ڈرائیور اور کنڈکٹر سے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ چھوٹ گیا تھا ۔ اور ڈرائیور کے بشرے سے لگا کہ جیسے وہ یہ مصرع پڑھ رہا ہو کہ

www.taemeernews.com

"کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری"

ڈرائیور جو بھی سوچتا ہو۔ کنڈکٹر جو بھی کہتا ہو میں تو دل ہی دل میں مسکراتا ہوا ۔اور مستقبل کے امریکہ کو تصور میں مخاطب کرتا ہوا سلام کرتا ہوا جس نے محبت سے میرا استقبال کیا اور مذاق کے ساتھ رخصت کیا ۔ مطمئن آسودہ اور بشاش قدموں سے بس پر آیا ۔ اور بس سے ہوائی جہاز پر آکر بیٹھ گیا ۔ اور جہاز اپنے وقت سے پندرہ منٹ تاخیر کے ساتھ قاہرہ کے لئے اڑا ۔

www.taemeernews.com

"جہاں خوشبو ہی خوشبو تھی..."

کلیم عاجز کی کہانی
کلیم عاجز کی زبانی

دلچسپ.......... دلدوز.......... دلخراش
واقعات اور حادثات کا نادر مرقع

داستانوں سے زیادہ حیرتناک۔ ناولوں سے زیادہ پیچیدہ۔
افسانوں سے زیادہ پُرتاثر۔

صفحات۔ ۴۰۰، بہترین کاغذ، آفسیٹ طباعت
رکزن جلد پلاسٹک لیمینیٹڈ ٹائٹل کور۔
قیمت : ۴۵ روپئے